امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل
■ اسلاموفوبیا کا بڑھتا ہوا رجحان
■ دارالقضاء
■ اپنی بچیوں کی حفاظت کیجئے
■ برونائی میں اسلامی قوانین کا نفاذ
■ اخبار جہاں، ہفتہ رفتہ، طب وصحت
■ ملی سرگرمیاں

جلد نمبر 57/67 شمارہ نمبر 23 مورخہ ۱۳؍شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۷؍جون ۲۰۱۹ء روز سوموار

تبرکات

اصحاب صفہ

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اسلام کے سنہرے باب کے چند تعلیمی اوراق ہیں جن کا سرورق اصحابِ صفہؓ سے شروع ہوتا ہے، درحقیقت یہ باب ''وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ''. (آل عمران:۱۶۴) ''اور وہ (نبی) ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔'' اور ''وإنما بعثت معلماً'' (سنن ابن ماجہ) ''اور اس کے سوا نہیں کہ مجھے تو بھیجا گیا ہے (دین) سکھلانے کے لیے'' کی عملی تفسیر ہے۔ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے شمال مشرقی جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوسِ قدسیہ تعلیم وتربیت پا رہے تھے، ان نفوسِ قدسیہ نے اپنی زندگی حصولِ علم ہی کے لیے وقف کر دی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل سے لکڑی لا کر فروخت کرتے اور گزر بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امامِ حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمیٰ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے۔ ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ ا میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی سب سے پہلے متعلم وشاگرد تھے، لیکن اسی تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا بھی گزرا کہ مدینہ سے باہر عوالیِ مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہِ نبوت کی حاضری سے معذور تھے، لیکن آپؓ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالباً ان کا نام اوس بن خولیؓ ہے۔) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں تو وہ رات کو عمر فاروقؓ کو سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت عمرؓ یہی خدمت انجام دیا کریں، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔ الغرض صحابہ کرامؓ جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصول علم کے لیے پورا اہتمام وانتظام فرماتے تھے۔ لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب وروز کی زندگی اسی حصول علم کے لیے وقف تھی۔ اہل وعیال سے آزاد، نہ تجارت سے غرض، نہ زراعت سے مطلب، نہ اپنی معاش کی فکر، نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحاب صفہؓ کی نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی، انہی نفوسِ قدسیہ میں سے ستر وہ شہداء بیر معونہ ہیں جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل وذکوان وغیرہ نے جو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلم ومبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرّاء کو اس دینی خدمت کے لیے بھیجا تھا، ان بدظن قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ ہوا تھا اور نماز فجر میں آپؐ نے دعاءِ قنوتِ نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔ انہی نفوسِ قدسیہ میں سے اس واقعۂ شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان ''صحیح بخاری'' میں قابل عبرت وبصیرت ہے: ''رأيت سبعين من أصحاب الصفةؓ، ما منهم رجل عليه رداء، إما إزار وإما كساء قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن ترىٰ عورته''. (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ) ''میں نے ستر ایسے اصحاب صفہؓ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی یا ان کے پاس صرف لنگی تھی یا (بدن ڈھانپنے کے لیے) ایک کمبلی جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا تھا، کوئی کملی تو ٹخنوں تک پہنچ جاتی، کوئی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی، (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔''

انہی نفوس قدسیہ میں سے خود حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبرِ نبوی اور بیت الرسولؐ کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے، حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی، خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے۔ آخر اس جفاکشی اور اس اندازِ طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہیے تھے وہ امت کے سامنے آئے، خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں مروی ہے: ''صحبتُ رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثلاث سنين فلم أكن في سني أحرص على أن أعي الحديث مني''۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام) ''میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، میں نے اپنی عمر میں اپنے سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔'' اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدونینِ کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں، ان کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں، جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنافی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہؓ وتابعینؒ کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہیں کی روایات سے امت کو پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اور ان کے علاوہ اعداءِ اسلام کا سارا زور حضرت ابوہریرہؓ پر طعن وتشنیع اور عیب چینی پر صرف ہو رہا ہے۔

کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر ان اصحاب صفہؓ نے فقر وافلاس کی حالت کو برداشت کیا؟ اور ان کو فکر معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟ کیوں ان کو زراعت یا صنعت وحرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی؟ اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدِ رمق کے لیے زکاۃ وصدقات کا انتظار کیا جاتا؟ اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آجاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہؐ ہر ایک صحابیؓ کو اربابِ صفہؓ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لیے کہ ازواج مطہراتؓ کی تعداد ۹؍تھی اور دسویں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس لحاظ سے گویا ''طعام الواحد يكفي الاثنين'' کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے (صحیح البخاری) خود بیوت نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا۔

یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے شواہد وبینات ہیں، اب ذرا قرآن کریم کا ارشاد بھی سنیے: ''الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا'' (البقرۃ: ۲۷۳) ''وہ حاجت مند (تمہاری امداد واعانت کے مستحق ہیں) جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، وہ (روزی حاصل کرنے کے لیے) روئے زمین میں (کہیں) جا آ نہیں سکتے، ناواقف آدمی تو ان کے (سوال کرنے سے) بچنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں (لیکن) تم ان کے فقر وافلاس کو ان کے چہرہ بشرہ سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے کہ (پیچھے پڑیں اور) اصرار کریں۔'' مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیتِ کریمہ انہی نفوس قدسیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کی زندگی کا مقصدِ وحید صرف تعلیم دین اور جہاد تھا۔ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس صورت حال کو قائم رکھا، بلکہ اس کی تعریف وتوصیف وحی متلو میں بھی فرمائی، کیا یہ واضح وصاف دلیل اس کی نہیں ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں جن کی حیاتِ طیبہ کلی طور پر علم ودین کے لیے وقف ہو چکی ہو۔ اس مقدس مشغلہ کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ کھائیں گے کہاں سے؟ اور ضروریات معاش پوری کیسے کریں گے؟ تو قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں اس کا واضح جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ان کی ضرورت کا تکفل اور خبرگیری امتِ محمدیہ کے ذمہ فرض ہے، وہ اپنے صدقات وخیرات اور زکاۃ سے ان کی خدمت کرے گی، اسی لیے علم دین میں مہارت وخصوصیت فرض کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں کہ ہر شخص کے بس کا یہ کام نہیں۔

اس کے بعد قابل غور یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے دو مقصد ہیں: (۱) خود اپنی تکمیل یعنی صاحب کمال بننا، اپنی دینی زندگی کو صلاح وتقویٰ سے آراستہ کرنا، تاکہ فلاح وسعادتِ دارین سے خود بہرہ ور ہو سکے۔ (۲) دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کو سعادتِ دارین سے ہمکنار کرنا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی عالم دین اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریاتِ زندگی کے لیے محتاجِ کسب معاش ہے، تو اسے معاش کے ذرائع اور صحیح وسائل اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہئے۔ کیا اسلام کے انتہائی مجد وعروج کے دور میں کبار امت نے معاشی ذرائع اختیار نہیں کیے؟

اب رہا یہ کہ علماء دین کے وہ مناصب کیا ہیں، جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کی دینی خدمت انجام دے سکیں؟ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے وہ کون سے شعبے ہیں جو ان کے سپرد ہونے چاہئیں؟ (بقیہ صفحہ ۱۰؍پر)

اللہ کی باتیں ــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

قرض حسنہ

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے، تو اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا زیادہ کر کے واپس کرے، اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (سورہ بقرہ/ ۲۴۵)

وضاحت: ضرورت مند لوگوں کو اس کی پریشانی اور مصیبت کے وقت قرض دینا اور تنگی اور سخت حالات میں ان کی مدد کرنا، اعلیٰ درجہ کی نیکی اور اجر وثواب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اللہ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرض دے کر تقاضا نہ کرے، اور اپنا احسان نہ رکھے، اس کے عوض کوئی بدلہ نہ چاہے، اور نہ ہی قرض کی واپسی کے لیے بلا وجہ تنگ کرے، گویا قرض دینے والے نے اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر اس کے بندوں کو قرض دیا ہے، تو اللہ اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائیں گے، کیون کہ احادیث میں قرض دینے کو صدقہ کا قائم مقام اجر وثواب کا سبب بتایا گیا ہے۔ طبرانی کی ایک رویت میں فرمایا گیا ہے کہ " كُلُّ قَرضٍ حَسَنَةٌ" گویا قرض دینے والے کو خوش دلی سے قرض دینا چاہئے، اور یہ یقین رکھنا چاہئے، کہ اللہ رب العزت نے قرض کے اجر وثواب میں اضافہ کرنے کی گارنٹی لی ہے۔ بایں طور کہ قرض دینے والے کے مال میں برکت عطا فرماتے ہیں، اور صحت وتندرستی کی نعمت سے نواز دیتے ہیں، لیکن ہاں قرض لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر کے وقت مقررہ پر قرض کی ادائیگی کر دے اور بلا وجہ ٹال مٹول نہ کرے، اس سے نہ صرف تعلقات خراب ہوتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ذلت ورسوائی بھی ہوتی ہے، اور کئی طرح کے گناہ بھی لازم آتے ہیں۔ وعدہ خلافی کرنا، جھوٹ بولنا اور کبھی قرض کے سبب قسم کھانے تک کی نوبت آجاتی ہے کہ کل ادا کردوں گا اور وقت پر ادا نہ کر سکا، اس طرح کے بہت سے حالات کا سامنا قرض خواہ کو کرنا پڑتا ہے، اس لیے بلا ضرورت قرض لینے سے گریز کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر قرض کے بوجھ اور گناہ سے پناہ مانگا کرتے تھے، میں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ قرض کے بوجھ سے پناہ مانگتے ہیں؟ سبب کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرض لیتا ہے، وہ بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، اور وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا۔" اس حدیث کی روشنی میں اپنے اردگرد کے حالات کا جائزہ لیجئے، یہی ہماری عبرت کے لیے کافی ہے۔ قرض لینے کے سبب کتنے باعزت شرفا ذلیل ہوگئے، کتنے ہرے بھرے گھر ویران ہوگئے، اور یہ سب کچھ کسی حقیقی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ جھوٹی شان وشوکت، بے لگام خواہشات اور آن بان دکھانے کے لیے بلا ضرورت قرض لینے کی بدولت ہوا، اس لیے آرزوؤں اور تمناؤں پر لگام لگائیے، ورنہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ سکون قلب سے محروم ہو جائیں گے، اور اگر آپ کسی کو قرض دیتے ہیں تو وصول کرنے میں ذرا نرمی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیجئے، اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے اندر ادائیگی کی وسعت اور صلاحیت نہیں ہے تو قرض دار کا پورا یا کچھ قرض معاف کر دینا افضل اور کار ثواب ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کے فیصلہ کے وقت فرمایا، جب اس قبیلے کے کچھ افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے ہماری جلاوطنی کا حکم صادر فرمایا ہے، حالانکہ لوگوں پر ہمارا ادھار باقی ہے، جس کی واپسی کا وقت ابھی پورا نہیں ہوا ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ضعوا و تعجلو" یعنی قرض کا کچھ حصہ معاف کردو اور اس کے عوض وقت سے پہلے ادھار واپس لے کر معاملہ صاف کر۔ معلوم ہوا کہ سماجی زندگی میں خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کے لیے باہمی رضا ورغبت سے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

اللہ پر بھروسہ رکھئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر توکل کا حق ادا کرو تو تمہیں بھی روزی ایسے ہی مہیا ہوگی جیسے کہ پرندے کو کہ وہ صبح کو خالی پیٹ جاتا ہے اور شام میں آسودہ ہو کر لوٹتا ہے۔ (ترمذی شریف)

مطلب: اللہ رب العزت نے دنیا میں کامیابی وکامرانی کے لیے کچھ اسباب مقرر کیے ہیں، اگر انسان ان اسباب و تدابیر کو اختیار کرے تو وہ ترقی کی منزلیں طے کر سکتا ہے، البتہ کامیابی کے لیے ان اسباب پر اعتماد نہ رکھے بلکہ اعتماد صرف اللہ کی ذات وصفات اور اس کی نصرت وحمایت پر کیا جائے، کیوں کہ دنیا کی کوئی چیز اللہ کی مشیت اور ارادے کے بغیر حرکت نہیں کر سکتی ہے، بندہ کے لیے صرف یہ حکم ہے کہ وہ اسباب کو اختیار کر کے نتیجہ کو اللہ کے حوالہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فراخی کی راہیں کھول دیتے ہیں، "و على الله فتوكلوا إن كنتم مؤمنين" اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ اور اعتماد رکھو، بے حوصلہ اور مایوس نہ ہوو۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اسباب کے تین درجے ہیں، یقینی، ظنی اور وہمی؛ سبب یقینی یہ ہے کہ عادتاً نفع کا مرتب ہونا یقینی ہو، جیسے کھانے کے بعد آسودگی، پانی پینے کے بعد سیرابی یقینی ہے، ایسے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے، اگر یہ اسباب موجود ہیں اور کوئی انہیں اختیار نہ کرنے کی وجہ سے ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے تو حرام موت مرے گا۔ سبب ظنی یہ ہے کہ اس میں نفع کا مرتب ہونا یقینی نہ ہو مگر عام طور پر نفع ہوتا ہو، جیسے علاج کے بعد صحت یابی، تجارت کے ذریعہ رزق کا حصول، ایسے اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں بلکہ انہیں استعمال کرنا سنت اور پسندیدہ ہے، بلکہ بعض حالات میں ان کو بھی اختیار کرنا ضروری ہے، اور سبب وہمی سے نفع ہونا خیالی ہوتا ہے، جیسے بدفالی وغیرہ لینا، ایسے اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے۔ یہ اسباب کے مختلف درجات ہیں، لیکن بنیادی طور پر ہر حالت میں اللہ پر اعتماد اور اس کے وعدوں پر اطمینان رکھیے اور یہ خیال رکھیے کہ خیر کا سرچشمہ ذات واحد ہی ہے، تو آپ کامیاب وکامران ہوں گے۔ "فإذا عزمت فتوكل على الله" جب کسی کام کے لیے عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ جو کچھ ملے اس پر شکر کیجئے، اور جو نہ ملے اس پر صبر کیجئے، اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ مومن ہر طرح کے حالات میں اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر ثابت قدم رہے، اس سے انحراف نہ کرے اور مشکل حالات کو بدلنے کی ہر جائز تدبیر اختیار کرے، جب انسان اس مقام کو پا لیتا ہے تو وہ اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

فجر کی سنتیں

فجر کی سنتیں گھر میں ادا کرنا افضل ہے یا مسجد میں؟ فجر کی اذان کے بعد مسجد میں داخل ہونے پر کیا تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئے، جب کہ اذان کے بعد طلوع آفتاب تک نوافل ادا کرنا منع ہے؟

الجواب و باللّٰہ التوفیق

(۱) سنت فجر کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ آپ ان کو گھر میں پڑھا کرتے تھے، لہذا بہتر یہ ہے کہ فجر کی سنتیں گھر میں پڑھی جائیں؛ لیکن اگر کوئی گھر سے سنت پڑھے بغیر مسجد آجائے اور جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہو تو مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لینی چاہئے اور اگر نماز کھڑی ہو چکی ہو اور سنت پڑھنے کے بعد جماعت ملنے کا ظن غالب ہو، تو ایسی صورت میں مسجد سے الگ حجرہ وغیرہ میں یا مسجد کے دوسرے حصے میں سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔

عن عائشة قالت: كان رسول اللّٰه صلى الله عليه و سلم إذا سكت المؤذن من صلاةالفجر و تبين له الفجر قام فركع ركعتين خفيفتين ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للإقامة فيخرج متفق عليه) اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے "الأفضل فى السنن والنوافل المنزل لقوله عليه الصلاة والسلام صلاة الرجل فى المنزل أفضل إلا المكتوبة ثم باب المسجد إن كان الإمام يصلى فى المسجد أما قبل الشروع فيأتى بها فى المسجد فى أى موضع شاء ـ(هندية: ۱/۲۷۱)

(۲) طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا مکروہ ہے۔

سامنے کی دکانوں کو مسجد میں ملانا

ہماری مسجد کے سامنے پانچ دکانیں ہیں اور ہم ان دکانوں کو مسجد کی دوسری منزل میں مسجد میں ملانا چاہتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب و باللّٰہ التوفیق

اگر سوال کا منشا یہ ہے کہ مسجد کے سامنے جو دکانیں ہیں ان کی چھت چھت سے ملا کر اوپر کے حصے پورے کو مسجد بنانے کی تجویز ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اگر یہ دکانیں مسجد کی ہیں یعنی مسجد پر وقف ہیں تو ایسا کرنے کی گنجائش ہے اور چھت کا یہ حصہ بھی مسجد شرعی بن جائے گا، اگر دکانیں مسجد پر وقف نہ ہوں تو پھر چھت کو مسجد میں شامل کرنا درست نہ ہوگا، ایسی صورت میں یہ حصہ مسجد شرعی نہ بنے گا۔

(قوله: وإذا جعل تحته سردابا) جمعه سراديب، بيت يتخذ تحت الأرض لغرض تبريد الماء وغيره كذا فى الفتح وشرط فى المصباح إن يكون ضيقا نهر (قوله أو جعل فوقه بيتا إلخ) ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أو لا إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح فى الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا ـ(الدر المختار و حاشية ابن عابدين ،رد المحتار ٦/٥٤٨)

ملازمت کی جگہ میں قصر اور اتمام کا کیا حکم ہے

میں راجستھان کا رہنے والا ہوں، میری پوسٹنگ دہلی میں تین سال کے لیے ہوئی ہے، اور مجھے سرکاری کوارٹر بھی دہلی میں ملا ہوا ہے، میرا سوال یہ ہے کہ اگر میں ملازمت کی جگہ یعنی دہلی میں جاؤں اور میری نیت پندرہ دن سے پہلے واپس راجستھان اپنے گھر آنے کی ہو تو کیا مجھے اس درمیان دہلی میں قصر نماز پڑھنی چاہئے یا پوری نماز ادا کرنی ہوگی؟

الجواب و باللّٰہ التوفیق

اگر آپ نے دہلی میں مستقلاً رہنے کا ارادہ نہیں کیا ہے؛ بلکہ جب تک ملازمت ہے، اسی وقت تک دہلی میں رہنے کا ارادہ ہے، تو دہلی آپ کے حق میں وطنِ اصلی کے حکم میں نہ ہوگا؛ لہذا اگر آپ راجستھان سے دہلی آنے کی صورت میں پندرہ دن کی نیت نہیں کرتے ہیں، تو آپ مسافر رہیں گے اور قصر نماز پڑھیں گے؛ البتہ راجستھان میں آپ پوری نماز پڑھیں گے، اگرچہ وہاں پندرہ دن سے کم کے قیام کی نیت ہو۔

الوطن الأصلى هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه(الدر المختار) قوله أو توطنه أى عزم على القرار فيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل، فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له إلا إذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذى كان له قبله شرح المنية ـ(رد المحتار على الدر المختار:٢/٦١٤)

واشنگ مشین میں ناپاک کپڑے دھونا

میرے پاس آٹومیٹک واشنگ مشین ہے جس میں آٹومیٹک پانی آتا ہے جب کپڑے اس میں ڈالتے ہیں تو پانی فل ہونے کے بعد کپڑے دھلنے کے بعد پوری طرح سے نچوڑے جاتے ہیں، پھر مشین دوسرا نیا پانی لیتی ہے، کیا یہ عمل تین بار دہرایا جائے تو اس مشین میں ناپاک کپڑے دھونے سے کپڑے پاک ہو جائیں گے، یا بعد میں الگ سے دھونا ہوگا؟

الجواب و باللّٰہ التوفیق

یہ مشین جب کہ خود بخود پانی لے کر کپڑوں کو دھوتی بھی ہے اور اُس کے بعد نچوڑ بھی دیتی ہے تو اِس مشین میں ناپاک کپڑے تین مرتبہ دھونے اور نچوڑ دینے کے بعد پاک ہو جائیں گے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ناپاک کپڑوں پر نجاست والے حصہ کو پہلے پاک کر لیا کریں اور اُس کے بعد کپڑوں کو مشین میں ڈالا کریں، بہرحال مشین میں تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ نچوڑنے کے بعد مزید دھونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ماخوذ از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب
پھلواری شریف، پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 57/67 شمارہ نمبر 23 مورخہ ۱۳/شوال المکرّم ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۷/جون ۲۰۱۹ء روز سوموار

شہریت کا ثبوت

آسام میں بنگلہ دیشی اور غیر ملکی کے نام پر سرکاری سطح پر مسلمانوں کے لیے کس طرح عرصۂ حیات تنگ کرنے اور لاکھوں مسلمانوں کی شہریت پر سوال کھڑا کر کے ان کے مستقبل کو تاریک کرنے کو کوشش کی جارہی ہے، اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ آسام کے ایٹانگر کے باشندہ، تیس سال تک ہندوستانی فوج میں ملازمت کر چکے رٹائرڈ لفٹننٹ، کرگل جنگ میں شریک ۵۲/سالہ محمد ثناء اللہ کو غیر ملکی ثابت کر دیا گیا، اور یہیں تک بس نہیں ہوا، بلکہ انہیں غیر قانونی مہاجرین میں شامل کرتے ہوئے حراستی کیمپ میں بھی بھیج دیا گیا۔ کیمپ میں جاتے وقت محمد ثناء اللہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے اور اپنا درد بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا ''تیس سال سرحد پر ملک عزیز کی حفاظت کرنے اور فوج میں خدمت انجام دینے کے باوجود غیر ملکی قرار دینے پر میں بہت ہی زیادہ غمزدہ ہوں اور میرے دل کو جو چوٹ پہونچی ہے اس کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، یہ انعام ہے میری فوج میں تیس سالہ بے غرض خدمات کا، کتنی ہی بار اس مدت میں میں نے اپنی جان پر کھیل کر ملک کی سرحد کی حفاظت کی، کرگل کی جنگ میں بھی شریک ہوا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بہادری سے دشمنوں سے لڑا، یہ میرے جیسے کسی بھی رٹائرڈ فوجی کے لیے انتہائی رنج وغم کا دن ہے''۔

۲۸/مئی کو محمد ثناء اللہ کو گوہاٹی کی سرحدی پولیس نے طلب کیا، جب وہ حاضر ہوئے تو فوراً انہیں گرفتار کرلیا گیا، پھر اگلے دن ۲۹/مئی کو انہیں گوہاٹی ہائی کورٹ میں پیش کیا گیا، جہاں ان سے شہریت کا ثبوت طلب کیا گیا اور ان کے پاس موجود دستاویزات کو شہریت کے ثبوت کے لیے ناکافی قرار دیتے ہوئے فارنرز ٹریبونل نے انہیں غیر ملکی قرار دے کر گولپارہ میں واقع غیر قانونی تارکین وطن کے لیے تیار کردہ حراستی کیمپ بھیج دیا گیا۔

محمد ثناء اللہ کی پیدائش آسام میں ۱۹۶۷ء میں ہوئی، ۱۹۸۷ء میں وہ انڈین آرمی میں شامل ہوئے، جہاں سے وہ ۲۰۱۷ء میں اعزازی لفٹیننٹ کے عہدے سے رٹائر ہوئے، رٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے گوہاٹی بارڈر پولیس جوائن کر لی اور گرفتاری سے قبل تک وہ اس میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے عہدے پر خدمت انجام دے رہے تھے۔

المیہ یہ ہے کہ تیس سالوں تک ہندوستانی فوج میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دینے، کرگل کی جنگ میں ہندوستانی فوج کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ لڑنے کا صلہ انہیں کیا ملتا، یہاں تو ان کی شہریت پر ہی سوال کھڑا کر دیا گیا۔ محمد ثناء اللہ کے والدین حیات سے نہیں ہیں، ان کے گھر میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے گذشتہ سال ہی انہیں فارن ٹریبونل کی طرف سے طلب کیا گیا تھا، اس سے قبل وہ چار سے پانچ بار سماعت کے لیے حاضر ہو چکے تھے۔ جن لوگوں کو بھی فارن ٹریبونل کی طرف سے طلب کیا جاتا ہے انہیں اپنی شہریت ثابت کرنے کے لیے دستاویزات اور شواہد پیش کرنے پڑتے ہیں، محمد ثناء اللہ نے بھی اپنے پاس موجود دستاویزات پیش کیے، لیکن عدالت نے انہیں شہریت کے ثبوت کے لیے ناکافی قرار دے دیا۔ محمد ثناء اللہ کے علاوہ فوج کے ایک اور مسلم آفیسر رٹائرڈ جونیر کمیشن آفیسر محمد اجمل حق بھی اسی صورت حال سے گذر رہے ہیں اور ۲۰۱۷ء میں ان سے بھی شہریت کا ثبوت طلب کیا گیا تھا۔ محمد اجمل نے بتایا کہ انہوں نے محمد ثناء اللہ کی فیملی اور فوج کے کچھ اور رٹائرڈ افسران کے ساتھ مل کر جنہیں اسی جیسی صورت حال کا سامنا ہے، فارنرز ٹریبونل کے فیصلے کو چیلنج کرتے ہوئے، اس کے خلاف گوہاٹی ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی ہے۔

فارنرز ٹریبونل سے جب اس بابت پوچھا گیا تو وہاں سے جواب ملا کہ محمد ثناء اللہ کو حراست میں بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی فوج جوائن کرنے کی تاریخ غلط بتائی تھی، انہوں نے فوج جوائن کرنے کی تاریخ ۱۹۷۸ء درج کروائی تھی، حالانکہ ان کے دستاویزات کے مطابق ان کی عمر اس وقت محض گیارہ سال تھی، کوئی شخص گیارہ سال کی عمر میں فوج کیسے جوائن کرسکتا ہے، اس وجہ سے انہیں شک کی بنیاد پر حراستی کیمپ میں بھیجا گیا ہے۔

لیکن فارنرز ٹریبونل کی بدنیتی اس سے صاف دکھائی دیتی ہے کہ چند سال پہلے بھی اس کی جانب سے بارڈر پولیس کی رپورٹ کی بنیاد پر محمد ثناء اللہ کے خلاف نوٹس بھیجی گئی تھی، لیکن بعد میں بارڈر پولیس نے ان سے یہ کہہ کر معافی مانگ لی کہ یہ نوٹس ان کے پاس غلطی سے چلی گئی تھی۔ اس طرح کے معاملات کے منظر عام پر آنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آسام کی بی جے پی حکومت وہاں کے مسلمانوں کو پریشان کرنے اور ان کے مستقبل کو تاریک کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اس تعلق سے نئے منتخب مرکزی وزیر داخلہ امت شاہ کا ایک بیان بھی سوشل میڈیا پر خوب وائرل ہو رہا ہے، جس میں انہوں نے صاف طور پر متنبہ کیا ہے کہ وہ سی اے بی بل لانے جارہے ہیں، جس کے تحت ہندوستان میں پناہ گزیں غیر ملکی سکھوں، ہندوؤں، جینیوں اور بودھوں کو ہندوستان کی شہریت دی جائے گی اور اس کے بعد این آر سی لایا جائے گا اور اس کے تحت بنگلہ دیشی گھس پیٹھیوں کو چن چن کر ملک سے نکالا جائے گا۔ امت شاہ کے اس بیان سے صاف ہے کہ حکومت کا مقصد صرف مسلمانوں کو پریشان کرنا ہے۔

ادھورا انصاف

پنجاب کے ضلع پٹھان کوٹ میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشنز کورٹ نے ۱۰/جون کو صوبہ جموں کے ہندو اکثریتی ضلع کٹھوعہ کے رسانہ گاؤں کی باشندہ آٹھ سالہ قبائلی لڑکی کی عصمت دری اور بے رحمی سے قتل کے معاملہ میں آٹھ ملزمین میں سے چھ کو مجرم قرار دیتے ہوئے ان میں سے تین کو عمر قید جب کہ تین کو پانچ پانچ سال قید کی سزا سنائی، ایک ملزم مندر کے پجاری سانجی رام کے بیٹے وشال جنگوترا کو ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے بری کر دیا گیا، جب کہ سانجی رام کا بھتیجا جس نے اس معصوم پر سب سے زیادہ ظلم ڈھایا تھا نابالغ ہونے کی بنیاد پر سزا سے بچ گیا ممکن ہے کہ جوئنائل عدالت میں اس کے خلاف پھر سے سنوائی شروع ہو، معاملہ میں ہیڈ کانسٹیبل تلک راج اور انسپکٹر آنند دتہ کو بھی مجرم قرار دیا گیا، جن پر سانجی رام سے چار لاکھ روپئے لے کر ثبوت مٹانے کا الزام تھا۔ یہ واقعہ ۱۰/جنوری ۲۰۱۸ء کو پیش آیا تھا، پندرہ صفحات کی چارج شیٹ جو عدالت میں داخل کی گئی اس کے مطابق بچی کو گاؤں کے مندر کے تہ خانہ میں باندھ کر رکھا گیا تھا، اس کو وہاں منشیات دی جاتی تھیں اور مسلسل اس کی اجتماعی عصمت دری کی گئی اور اس کو جان سے مارنے سے پہلے چار دن تک بیہوش رکھا گیا، بالآخر اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش کو قریبی جنگل میں پھینک دیا گیا۔ اس کی لاش ۱۷/جنوری کو ملی تھی اور پوسٹ مارٹم رپورٹ سے عصمت دری اور قتل کی تصدیق ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد جو کھیل شروع ہوا اس نے ہمارے سماج کی پول کھول کر رکھ دی، ایک طبقہ مقتول کے ساتھ ہمدردی جتانے کے بجائے پورے معاملہ کو جھٹلانے میں لگ گیا اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ مجرموں کی پشت پناہی اور ان کا دفاع کرنے لگا۔ چارج شیٹ سامنے آتے ہی اس پر سوال اٹھائے جانے لگے، کچھ وکیلوں نے تو چارج شیٹ کو غلط ٹھہراتے ہوئے معاملہ کی سی بی آئی جانچ کا مطالبہ کی۔ یہاں تک کہ انہوں نے چارج شیٹ داخل کرنے پہونچی کرائم برانچ کی ٹیم کو عدالت پہونچنے سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد نے کھلے عام ملزموں کی طرف داری کرتے ہوئے اس کو ہندو مسلم کا معاملہ بنا دیا، حد تو تب ہوگئی جب کشمیر میں بی جے پی حکومت کے دو وزیر بھی اس معاملہ میں ملزموں کے حق میں کود پڑے، جن کو بعد میں حکومت سے باہر کا راستہ دکھانا پڑا۔

اب سترہ مہینے کے بعد عدالت نے اس کا فیصلہ سنایا ہے، عدالت عظمیٰ نے معاملہ کی حساسیت کی بنیاد پر اس کیس کو ۷/مئی ۲۰۱۸ء کو پٹھان کوٹ منتقل کر دیا تھا، جہاں بند کمرے میں مقدمہ کی سنوائی ہوئی اور ۳/جون کو مقدمہ کی سنوائی پوری ہوئی۔ اس معاملہ میں انصاف تو مل گیا، لیکن کیا اس کو پورا انصاف کہا جاسکتا ہے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ ادھورا انصاف ہے اور ادھورا انصاف بھی ناانصافی ہی ہے۔ کیا ایک آٹھ سالہ بچی کی کئی دنوں تک اجتماعی عصمت دری اور اس کو بے رحمانہ طریقہ سے قتل کر دیا جانا ریرسٹ آف دی ریر کے ذیل میں نہیں آتا تھا؟ کیا ان مجرمین کو پھانسی کی سزا نہیں ہونی چاہئے تھی؟ جب کہ نربھیا معاملہ میں اس کی نظیر موجود تھی، پھر یہ کہ کرمنل لا امینڈمنٹ بل ۳۰/جولائی ۲۰۱۸ء کو لوک سبھا سے اور ۶/اگست ۲۰۱۸ء کو راجیہ سبھا سے پاس ہو چکا ہے، جس کے تحت ۱۲/سال سے کم عمر بچی کی عصمت دری کے مجرم کو سزائے موت دیے جانے کا ضابطہ ہے۔ کیا کٹھوعہ کی آٹھ سالہ معصوم بچی اس قانون کے تحت نہیں آتی تھی؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ مسلمان تھی اور جرم کرنے والے اکثریتی فرقے کے لوگ، ہمارے دل اب اس طرح تقسیم ہو گئے ہیں کہ قتل اور عصمت دری جیسے سنگین جرائم میں بھی ہم مجرمین کا ذات اور مذہب دیکھنے لگے ہیں۔ ہمارا ضمیر اتنا مردہ ہو گیا ہے کہ قاتل اور مقتول کی حیثیت دیکھ کر ہم طے کرتے ہیں کہ ہم کو کس کے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے۔ کٹھوعہ کے اس معاملہ میں سوشل میڈیا پر جو طوفان بدتمیزی مچائی گئی، اس سے ہندوستانی معاشرہ کا بہت ہی گندہ اور مکروہ چہرہ نکل کر سامنے آیا، جو ادھر چند برسوں میں ہمارے نیتاؤں اور میڈیا کی گھناؤنی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ایک نام نہاد ہندی اخبار نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ ریپ ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ کوئی تنہا واقعہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی اور اس واقعہ کے بعد بھی معصوم بچیوں کے ساتھ درندگی کے کئی واقعات میں بھی یہی رجحان دکھائی دیا۔ ابھی حال ہی میں علی گڑھ سے خبر آئی کہ ایک تین سالہ بچی کی عصمت دری کر کے اس کو قتل کر دیا گیا، ملزم مسلمان تھا، تو پورے ملک سے اس کو سزائے موت دینے کی آوازیں اٹھنے لگیں یہی نہیں بلکہ بی جے پی کے بڑے بڑے لیڈروں نے اس کو ہندو مسلمان کا ایشو بنا کر علی گڑھ میں فساد پھیلانے اور ماحول کو خراب کرنے کی کوشش کی ابھی بھی یہ کوشش جاری ہی ہے، جبکہ پولیس رپورٹ سے صاف ہو گیا کہ وہ محض قتل کا معاملہ تھا اور عصمت دری نہیں ہوئی تھی، بہر حال قتل ہی ہے تب بھی مجرم کو سزائے موت ہونی چاہئے، ہم بالکل اس بات کے حق میں نہیں ہیں کہ اس پر کسی قسم کا رحم کیا جائے، اسلام کا تو قانون ہی جان کے بدلے جان کا ہے۔ لیکن کیا اس ملک میں اب عدالتوں سے انصاف بھی قاتل اور مقتول کا مذہب پوچھ کر کیا جائے گا، کیا ایسا انصاف انصاف کہے جانے کے قابل ہے؟ اگر یہ بیماری جلد ہی دور نہیں ہوئی تو قانون کو نافذ کرنے والے اداروں کا ٹھیک سے کام کرنا دشوار ہو جائے گا۔

بہر حال عدالت کا فیصلہ آ گیا، لوگوں نے عدالت کو مبارکبادیاں بھی دیں، بچی کے والد کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہے وکیل مبین فاروقی نے عدالت کے احاطہ میں میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ مجرمین کو سزا ملنے سے سچ کی جیت ہوئی ہے، یہ جیت ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے ساتھ ساتھ تمام کمیونٹیز کی جیت ہے، جموں وکشمیر کی سابق وزیر اعلیٰ اور پی ڈی پی کی صدر محبوبہ مفتی، نیشنل کانفرنس کے نائب صدر اور سابق وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ، آئی اے ایس کی نوکری چھوڑ کر سیاست میں آئے جموں کشمیر پیپلز مومنٹ کے سربراہ ڈاکٹر شاہ فیصل، پیپلز کانفرنس کے سربراہ سجاد لون سمیت کشمیر کے کئی سرکردہ شخصیات نے فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور اس کو راحت افزا قرار دیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سچ مچ یہ فیصلہ راحت افزا ہے، اور کیا اس طرح کے ادھورے انصاف سے عدالتوں سے ہمارا بھروسہ کمزور نہیں ہوتا چلا جائے گا؟

کٹھوعہ کے اس معاملہ میں ادھورا انصاف ملنے تک پوری کارروائی کے دوران انسانیت جس طرح لہولہان ہوئی ہے، کیا اس کو نئی زندگی مل پائے گی؟

اسلاموفوبیا کا بڑھتا ہوا رجحان - اسباب وتدارک

مولانا مفتی محمد عبد اللہ قاسمی

چندمہینوں پہلے نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ کی دو مسجدوں میں دہشت گردانہ حملہ پیش آیا، جس میں پچاس مسلمان شہید اور چالیس سے زائد مسلمان زخمی ہوگئے، حملہ آور ایک آسٹریلیائی نژاد سفید فام عیسائی برینٹن ٹیرنٹ تھا، جو سیاہ فام پر سفید فام کی برتری اور فوقیت پر یقین رکھتا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے نفرت اور بغض وعناد رکھنے کے لیے معروف تھا، اس درندہ صفت آدمی کی مذہبی جارحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اولاً ۷۴/صفحات پر مشتمل منشور فیس بک پر شائع کیا، جس میں بیرونی ممالک سے آکر بسنے والے خاص طور سے مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز تحریر تھی، پھر اس نے اس قتل عام کا فیس بک پر راست ٹیلی کاسٹ کیا، حملہ آور کو گرفتار کیا جاچکا ہے اور اس پر نیوزی لینڈ کی عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔

یہ بات کسی حد تک خوش آئند اور حوصلہ افزاء ہے کہ نیوزی لینڈ کے وزیر اعظم جیسنڈا آرڈن نے اسے دہشت گردانہ حملہ قرار دیا اور کہا کہ ایسے پرتشدد حملے کیوی تہذیب سے میل نہیں کھاتے، مزید برآں وہاں کی خاتون وزیر اعظم نے سر پر دوپٹہ رکھ کر سیاہ لباس میں ملبوس ہوکر شہداء کے اعزاء واقارب سے اظہارِ تعزیت کیا، اور ان کو دلاسہ دیا، پھر اسالٹ رائفلس اور فوجی طرز کے خودکار ہتھیاروں پر امتناع عائد کردیا، اور کیوی مسلمانوں سے محبت وہمدردی اور اظہارِ یکجہتی کے لیے اگلے جمعہ کے روز سرکاری ٹی وی اور ریڈیو سے اذان نشر کرنے کی ہدایت جاری کی، ان حوصلہ منداقدامات کی وجہ سے نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم بجا طور پر مبارک بادی کے مستحق ہیں، اور ان کا یہ اقدام ان لوگوں کے منھ پر طمانچہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے بلا درجہ بیر رکھتے ہیں، اور جن کی خمیر میں اسلام دشمنی داخل ہے، ابھی مسلمانان عالم اس حملہ کی وجہ سے گہرے صدمے اور شدید تکلیف سے دوچار تھے اور اس جان کاہ حادثہ کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا کہ برطانیہ سے یہ خبر آئی چند شدت پسندوں نے پانچ مساجد کی کھڑکیوں کے شیشوں کو توڑ دیا اور وہاں خلفشار پیدا کرنے کی کوشش کی، یہ دو دلخراش اور روح فرسا واقعات جو تسلسل کے ساتھ حال ہی میں پیش آئے ہیں، اور ماضی قریب میں بھی اس طرح کے متعدد واقعات پیش آتے رہے ہیں، اور روزناموں کی زینت بنتے رہے ہیں، ان کا محرک کیا ہے اور ان کے پیچھے کون سے اسباب وعوامل کارفرما ہیں، ان کا صحیح اور درست تجزیہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اسلام کے بارے میں غلط فہمی: اسلاموفوبیا کے بڑھتے ہوئے رجحان کا ایک اہم سبب غلط فہمی ہے، غیر مسلم باشندوں بالخصوص یورپی لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ اسلام جمود اور روایت پسندی کا محافظ وعلمبردار ہے، کامیابی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، یہ تشدد کا حامی اور دہشت گردی کو فروغ دینے والا ہے، اخلاق واقدار اور روحانیت کے بجائے یہ ایک سیاسی نظام ہے، جسے پوری دنیا پر سیاسی اور عسکری تسلط حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس نوع کے گمراہ کن خیالات ذرائع ابلاغ، الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ یورپی معاشرہ میں ترویج دئے گئے ہیں اور اس طرح کے پروپیگنڈے زور وشور سے آج بھی کئے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے یورپی لوگوں کا دائرہ فکر اتنا تنگ ہوچکا ہے کہ اسلام کی صحیح تفہیم ان کے لیے مشکل ہوچکی ہے، یہ وہ سبب ہے جس کی وجہ سے اسلام مخالف رجحانات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، اور مسلمانوں سے تعصب وعداوت بڑھتی جارہی ہے۔

ذرائع ابلاغ کا گمراہ کن رویہ: اسلاموفوبیا کے غیر معمولی حد تک بڑھنے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ عالمی سطح پر ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے پلیٹ فارم سے اسلام کی نمائندگی اور اس کی تعلیمات وہدایات کی ترجمانی مثبت انداز میں کما حقہ نہیں ہورہی ہے، اگر کہیں مذہب اسلام کو پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا موضوع بحث بناتا بھی ہے تو منفی اور سلبی پہلو سے، آج کے اس پُر آشوب دور میں بدقسمتی سے ذرائع ابلاغ کے سرچشمہ پر صہیونی طاقتوں کا غلبہ ہے، جس کی وجہ سے اسلام مخالف باتیں دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلائی جارہی ہیں، اسلام میں جہاد کا جو مقدس اور پاکیزہ تصور ہے اور جہاد کے لیے اسلام کی جو واضح اور قابل تقلید ہدایات ہیں ان کو صحیح اور مثبت انداز میں پیش کرنے کے بجائے حقائق کو مسخ کرکے توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے، اور پورے عالم میں یہ باور کرانے کی ناپاک کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ایک تشدد پسند مذہب ہے، دہشت گردی اور خوف وہراس کو فروغ دیتا ہے، اور پوری دنیا پر قتل وغارت گری اور جنگ وفساد کے ذریعہ قبضہ کرنا چاہتا ہے، اسلامی پردہ جو ایک شریف اور نیک خصلت خاتون کی زینت ہے، شرم وحیاء اور عفت وعصمت کے تحفظ کا ضامن ہے، اسے ذرائع ابلاغ اور میڈیا نے ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دے دیا اور عورتوں کے لیے اسے ناقابل برداشت قید بتایا، اسلام میں خاندان کا جو مضبوط اور مستحکم نظام ہے، جہاں عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت وفرمانبرداری کو سعادت تصور کرتی ہیں اور بچے کی پرورش اور اس کی دینی نگہداشت کو اپنا اسلامی فریضہ خیال کرتی ہیں، جہاں نکاح، طلاق، خلع، فسخ نکاح، معاشرت اور رہن سہن کے متعلق معقول اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہدایات ہیں، ان کو عالمی میڈیا نے اس درجہ بدنام کیا کہ یورپی سماج میں یہ تصور بیٹھ گیا کہ اسلام عورتوں پر ظلم کرتا ہے، ان کو آزادی سے محروم رکھتا ہے، اور ضروری اور لازمی حقوق انہیں فراہم نہیں کرتا، مسلمان خاتون ایک غلام کی طرح زندگی بسر کرتی ہے، اس کی حیثیت اسلام میں صرف ایک جنسی کھلونے کی ہے جس سے مرد لطف اندوز ہوتا ہے اور جب چاہے عورت کی رضامندی کے بغیر اسے اپنی زوجیت سے علیحدہ کردیتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کے بجائے معاذ اللہ آپ کے دہشت گرد ہونے کا نقشہ ابھرتا ہے، جو پورے عالم کو شمشیر وسنان کے زور پر اپنے زیر نگیں کرنا چاہتے تھے، اور اپنے افکار ونظریات اقوام عالم پر زبردستی تھوپنا چاہتے تھے، ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے اس گھناؤنے کردار نے اسلام دشمنی کی جو لہر پیدا کی ہے اس کی وجہ سے آج پورے عالم میں بالخصوص یورپی ممالک میں مسلمان عیسائی دہشت گردوں کا نشانہ بن رہے ہیں، اور بعض ممالک میں مسلمانوں کے اسلامی اقدار وروایات پر پابندی عائد کی جارہی ہے۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی: یورپ میں اسلاموفوبیا کا رجحان بڑھنے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ مغربی تہذیب کے پھیلاؤ اور وسعت کی وجہ سے جہاں بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا ہوئی ہیں، وہیں خاندانی نظام بھی پورے عالم میں انتشار کا شکار ہوگیا ہے، عائلی نظام کے تانے بانے ٹوٹ کر بکھر چکے ہیں، شادی کو ایک ناقابل برداشت بندھن تصور کیا جارہا ہے، بچوں کی پیدائش کو حماقت سمجھا جارہا ہے، جس کی وجہ سے پورے عالم میں خصوصا یورپی ممالک میں پیدائش کی شرح غیر معمولی حد تک گھٹتی ہی جارہی ہے، اس کے برخلاف مسلمانوں کا خاندانی اور عائلی نظام بہت حد تک مضبوط اور مستحکم ہے، بعد بلوغ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے کا رجحان مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، افزائش نسل جس کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ترغیب دی ہے، اس جانب بھی عام مسلمانوں کا رجحان گو مطلوبہ حد تک نہیں؛ تاہم قابل غنیمت ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی نسل بڑھ رہی ہے، اور ان کی آبادی میں اضافہ ہورہا ہے، دوسرے مسلمان ہزار خرابیوں کے باوجود جہاں رہتے ہیں وہ اسلامی تہذیب وتمدن کی شمع کو فروزاں رکھتے ہیں، قابل لحاظ مسلم خواتین بازاروں میں بے محابا گھومنے کے بجائے گھر کی چہار دیواری میں رہنا پسند کرتی ہیں، اگر کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے گھر سے نکلنا بھی پڑے تو اسلامی حجاب میں ملبوس ہوکر باہر نکلتی ہیں، مسلم نوجوان چہرہ پر داڑھی سجائے ہوئے رقص وسرور کی محفلوں کا رخ کرنے کے بجائے مسجدوں کا رخ کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ سے ان کی محبت وشیفتگی کا یہ حال ہے کہ وہ کسی قسم کی گستاخی ان کے حق میں برداشت نہیں کرتے، اگر کوئی متعصب اور سر پھرا شخص اس طرح کی حرکت کرتا ہے تو پورے عالم کے مسلمان اس کے لیے سراپا احتجاج بن جاتے ہیں؛ بلکہ اگر کسی جانباز اور بہادر مسلمان کے ہاتھ وہ ملعون اور گستاخ شخص لگ جائے تو صفحۂ ہستی کو اس سے پاک کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، ہزار عیوب اور نقائص کے باوجود مسلمانوں کے یہ نمایاں اور امتیازی صفات ہیں، جن کی وجہ سے مسلم قوم پورے اقوام عالم میں ایک علیحدہ شناخت رکھتی ہے، اور دنیا میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتی ہے، ان چیزوں نے یورپی اقوام کی نیندیں اڑادیں، اور اسلام سے ان کو ایک انجانا سا خوف اور دہشت طاری ہوگیا ہے، ان کے خوف اور دہشت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ برطانیہ میں ہونے والے ایک حالیہ سروے میں اہل برطانیہ سے سوال کیا گیا کہ ان کے ملک میں مسلمانوں کی کل آبادی کتنی ہے؟ اہل برطانیہ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد مجموعی آبادی کا ۱۲/فیصد ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی محض پانچ فیصد ہے، یہی سوال امریکی لوگوں سے کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی آبادی ۱۵/فیصد ہے، حالاں کہ وہاں مسلمان صرف ایک فیصد ہیں، یہی سوال اہل فرانس کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۱۳/فیصد ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہاں مسلمان صرف آٹھ فیصد ہیں۔

غیر مسلم باشندوں کا اسلام اور مسلمانوں سے یہ خوف وہراس ہمارے لیے کچھ پریشانی اور فکرمندی کی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ یورپی دانشوروں اور فرنگی تہذیب وتمدن کے علمبرداروں کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ مغربی تہذیب وثقافت نے مذاہبِ عالم پر ایسا شب خون مارا ہے کہ اس کے سارے پرزے بکھر کر فضاء میں تحلیل ہوگئے، فرنگی کلچر وتمدن کے سیل بلاخیز نے ادیان عالم کی قصر عظمت کو ایسا پیوند خاک کردیا کہ اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ صحیح سالم نہ رہ سکی، انگریزی طور طریق نے تمام مذہبی اخلاق واقدار کو تہہ وبالا کردیا، اور ان کی رائج کردہ تہذیب، فنون ادب، آرٹ وغیرہ سکۂ رائج الوقت کی طرح پوری دنیا میں پھیل چکا ہے؛ لیکن یہ چودہ سو سالہ فرسودہ اسلامی تہذیب ہے جو سد سکندری کی طرح راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے، سینکڑوں صدیاں گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں کی ایک قابل لحاظ تعداد اسے اپنا قیمتی ورثہ سمجھ کر گلے لگائی ہوئی ہے، اسلام مخالف ہزار پروپیگنڈوں کے باوجود اسلام پوری شان وشوکت کے ساتھ دنیا میں پھیل رہا ہے، اور ”پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے“ کی تصویر ہر چہار طرف نظر آرہی ہے، اس صورتِ حال نے مغربی آقاؤں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ کیا مستقبل قریب میں عالم کی عروس قیادت وسیادت جو ابھی ہمارے حبالہ عقد میں ہے روٹھ تو نہیں جائے گی، اقوام عالم کی تسخیر کا جو ہنر ابھی ہمارے ہاتھ میں ہے آئندہ کہیں یہ ہمیں کام نہ آئے، یہ وہ خوف اور قلق ہے جو مغربی آقاؤں کو ستائے جارہا ہے، اور یہ وہ غم ہے جو چھپائے نہیں چھپ رہا ہے، اس خوف ودہشت کا ہونا ہم مسلمانوں کے لیے فال نیک ہے، اور ہم مسلمانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ذلت وخوردگی کی تاریکیوں سے نکل کر جہد وعمل کے میدان میں اتریں، اور عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے مضبوط اور سنجیدہ لائحہ عمل تیار کریں، تاہم مغربی دانشوروں نے اس خوف ودہشت کے ردعمل کے طور پر عوامی سطح پر جو گمراہ کن پروپیگنڈہ اور بے بنیاد الزامات کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان کی وجہ سے سادہ لوح عوام کا ذہن متاثر ہوا ہے، اس کے لیے ہم مسلمانوں کو فکرمند ہونے کی ضرورت ہے، اور غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے جو شکوک وشبہات کے کانٹے جنم لے رہے ہیں ان کے ازالہ کے لیے سنجیدہ اور منظّم تدابیر کرنا ہمارا فریضہ بنتا ہے۔

دعوتِ دین کا اہتمام: دعوتِ دین اور اشاعتِ اسلام ایک عظیم الشان عمل ہے، انبیاء کرام اور صالحین کا طریقہ ہے، دونوں جہاں میں فلاح وکامیابی کی شاہِ کلید ہے، آج واقعہ یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم مجموعی طور پر اس فریضہ سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں، غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف اور اس کی تعلیمات وہدایات سے غیر مسلموں کو روشناس کرانے کو عملاً ہم فراموش کرچکے ہیں، جس کی وجہ سے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر لوگوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں، اور اسلامی تعلیمات کے تئیں ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم غیر مسلموں تک دین کا پیغام پہونچائیں، اور اسلام کے محاسن اور اس کی خوبیوں کو ان کے سامنے اجاگر کریں، اور اسلام کی معنویت اور اس کے احکام کے فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہونے کو واضح انداز میں بیان کریں۔ (بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

دار القضاء: حصول انصاف کا سب سے بہتر مقام

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ

اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿اعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (سورۃ المائدہ: ۸) ’’انصاف کرو، یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔‘‘

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے، جو اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت و اخلاق سب کو شامل ہے۔ اسلام نے ان سب کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور اس کے لیے روشن ہدایات دی ہیں جو انسانی زندگی کو راحت ورحمت کا گہوارہ بناتے ہیں، اور ان کی آخرت کو کامیابی کی شاہراہ پر لے جاتے ہیں۔ اسلام کا ایک اہم شعبہ معاشرت سے متعلق ہے، سماجی و معاشرتی سطح پر جو اختلافات رونما ہوتے ہیں، یا جو مسائل نزاع کا باعث بنتے ہیں، ان کی اصلاح کے لیے اسلام نے زریں ہدایات دی ہیں۔ اسلام کا قانون جس وقت کرۂ ارض کے اکثر حصوں پر نافذ تھا، وہ حصے امن وامان کا گہوارہ بنے رہے، تاریخ کے اوراق میں اس کے روشن ابواب آج بھی درج ہیں۔

اسلامی ملک کی عدالتیں اور اس کے مسلم قضاۃ معاشرتی مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرتے تھے، جہاں مظلوموں کی دادرسی کی جاتی تھی، کمزوروں کو انصاف ملتا، تحقیق وتفتیش کے بعد مبنی برانصاف فیصلہ صادر ہوتے۔ الغرض بحیثیت انسان انسانوں کے درمیان برابری ومساوات مظلوموں کی مدد محتاجوں کی اعانت زندگی کے ہر شعبہ میں عدل وانصاف اسلامی سماج کا روشن آئین ہے، غیر اسلامی ممالک میں انصاف کے تقاضوں کے تکمیل کے لیے عدالتیں قائم ہیں، ہندوستان بھی ایک جمہوری ملک ہے، یہاں بھی جمہوری طرز پر عدالتیں قائم ہیں، ان عدالتوں کو اسلام کے قوانین میں دراندازی کی اجازت نہیں ہے، خاص طور پر وہ معاشرتی مسائل جو مسلم معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نکاح، خلع، طلاق، انفساخ نکاح، نان ونفقہ، ہبہ، مسائل میراث وغیرہ۔ ہندوستان کے دستور میں ان کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے، ان جیسے مسائل میں ملک کی عدالتیں دستوری نقطہ نظر سے بھی اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کی پابند ہیں؛ لیکن عدالتوں پر مقدمات کی کثرت کا بوجھ اور ملک کی آبادی کے تناسب سے ججوں کے عدم انتظام کی وجہ بروقت انصاف ناممکن ہے، اگر اس کی اصلاح بھی کر لی جائے تو معاشی کمزوری کی وجہ سے عدالتوں سے رجوع ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ملک کی اکثریت اور خاص طور مسلم اقلیت کی ایک بڑی تعداد سطح غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے، اس لیے عدالتوں کے اخرجات کا بوجھ اٹھانے کے وہ متحمل نہیں۔ ادھر چند دنوں سے قانون کے اداروں اور حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے اسلامی عائلی قوانین میں تبدیلی اور ہندوستان کے سارے باسیوں کے لیے یکساں قانون کے نفاذ کی صدائے بازگشت سارے ملک میں گونج رہی ہے۔ میڈیا اس پر اپنا سارا زور صرف کر رہا ہے ایسے میں اجتماعی طور پر سارے ملک میں ملت اسلامیہ مسلک ومشرب کے اختلاف سے اونچے اٹھ کر اتحاد ویگانگت کا ثبوت دے۔

مسلمان اسلام کے قانون پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا ایمان ان سے اس بات کا تقاضہ بھی کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَمْرًا اَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (سورۃ الأحزاب: ٦٣) ’’کسی مومن اور مومنہ کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی معاملہ میں اپنا کوئی اختیار باقی رکھے۔)

اس آیت پاک کا ایک خاص پس منظر ہے؛ لیکن اس کا حکم قیامت تک آنے والے ایمان والوں کے لیے ہے، ملک کا ایک فرد، یا پوری قوم، حکومت اور قانون ساز ادارے کوئی بھی اس بات کا اختیار نہیں رکھتے کہ اللہ سبحانہ کے نازل کردہ احکامات اور نبی رحمت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ توضیحات وتشریحات کی روشنی میں مدون اسلامی قانون کے خلاف کوئی اور قانون نافذ کریں اور مسلمانوں کیلئے کوئی اور نئی راہِ عمل تجویز کریں۔ غیر اسلامی ممالک کی عدالتیں بسا اوقات ایسے فیصلے صادر کرتی ہیں، جو اسلامی مزاج سے متصادم ہوتے ہیں، ظاہر ہے ملت اسلامیہ کبھی اس طرح کے خلاف اسلام فیصلوں کو قبول نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا ايُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا o أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (سورۃالنساء: ٥٩-٦٠)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تمہارے اولوالامر ہیں، پھر اگر کسی امر میں تم اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اس بات کا دعوی تو رکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے (انبیا) پر اتارا گیا ہے، اس پر ان کا ایمان ضرور ہے؛ لیکن وہ اپنے معاملات طاغوت؛ یعنی غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر دور کی گمراہی میں ڈال دے۔‘‘

ایسے میں ملت اسلامیہ کے ان افراد کو اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے، جو شرعی احکام کے مطابق فیصلہ کے لیے اس وقت اصرار کرتے ہیں، جب اس میں ان کو اپنی منفعت دکھائی دیتی ہے، جب اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ شریعت کے فیصلہ کے رو سے وہ نقصان میں رہیں گے تو پھر وہ خلاف اسلام، غیر اسلامی عدالتوں کے ایسے منفعت بخش فیصلہ کا سہارا لیتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کا فرض ہے کہ آپسی اختلاف ہوں تو اس کے حل کے لیے قوانین اسلامی کے ماہرین سے رجوع کریں۔ اس وقت ملک بھر میں دار القضاء قائم ہیں، جن کا مقصد اسلامی نقطۂ نظر سے نزاعی امور کو حل کرنا ہے، کم وقت اور کم خرچ میں جہاں مسئلہ آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔

دار القضاء کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت توجہ فرماتے تھے، حتی کہ خود لوگوں کے جھگڑے سنتے اور ان کے معاملات کا حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ فرماتے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو باقاعدہ اس کام کا حکم فرمایا اور بہت سے صحابہ کرام کو اس کام پر مامور بھی فرمایا، چنانچہ حضرت ابن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ میں قاضی بنایا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا کہ کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں مسئلہ کا حل نہ مل پائے تو؟ عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر سنت میں بھی نہ ہو تو؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ میں اجتہاد سے کام لوں گا؛ یعنی (کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غور وفکر کر کے) قیاس سے فیصلہ کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے، جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی۔ (سنن أبی داؤد، باب اجتهاد الرأی فی القضاء)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قضا کی ذمہ داری سونپی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نوجوان ہوں، محکمہ قضا کا علم اور تجربہ نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ اللہ تمہارے دل کی رہنمائی کرے گا اور تمہاری زبان کو لغزش سے بچائے گا اور پھر یہ اصول تعلیم فرمایا کہ جب تمہارے سامنے فریقین آ کر بیٹھیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا، جب تک دوسرے فریق سے بھی اس کی بات نہ سن لو، جیسا کہ تم نے پہلے فریق سے سنا ہے، تمہارے لیے اس صورت میں فیصلہ واضح ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہمیشہ قضا کی خدمت انجام دی اور کبھی بھی مجھ کو کسی فیصلہ میں تردد نہیں ہوا۔ (سنن ابن ماجة، باب ذكر القضاة)

ان ہی ہدایات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس وقت ملک بھر میں امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ اور مسلم پرسنل لا بورڈ وغیرہ کے زیرنگرانی دار القضاء قائم کئے گئے ہیں اور کئے جارہے ہیں، جہاں کتاب وسنت کی روشنی میں معاشرتی مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔

اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ آپسی جھگڑے شریعت کے مطابق طے کرائیں اور جہاں صلح کے ذریعہ طے نہ ہو، وہاں وہ دار القضاء کے قاضی شریعت کے پاس لے جائیں؛ تاکہ وہ فریقین کے بیانات اور شواہد سن کر اسلام کے احکام کے مطابق فیصلے کریں۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

اترپردیش بار کاؤنسل کی خاتون صدر کے قتل پر وکلاء برادی خاموش کیوں؟

اترپردیش بار کونسل میں پہلی مرتبہ ایک خاتون صدر منتخب ہونے میں کامیاب ہوئی لیکن دو دنوں میں ہی ایک وکیل نے فائرنگ کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ غیر معمولی اور انتہائی اہم ہے۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ مرکز کی مودی سرکار اور یوپی کی یوگی سرکار خواتین کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی کا دعوی کر رہی ہے، ان کی ترقی کی بات کر رہی ہے، ایک خاتون کا صدر بننا وکلاء برادری کو ہی برداشت نہ ہوسکا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ پر وکلاء برداری کی جانب سے کوئی سخت ردعمل نہیں آیا ہے۔ یوپی اور پورے ملک کے وکیلوں نے اس قتل کو عام سانحہ کی طرح سمجھ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا ہے۔ کوئی احتجاج، ہنگامہ اور مقتولہ وکیل درویش یادو کے ساتھ اظہار یکجہتی دیکھنے کو نہیں مل رہی ہے۔

دوسری طرف بنگال کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں ایک جونیئر ڈاکٹر پر مریضوں نے لاپروائی برتنے کا الزام عائد کر کے پٹائی کی تو پورے صوبے کے ڈاکٹرز حمایت میں آ گئے۔ سڑکوں پر نکل کر احتجاج شروع کر دیا۔ حکومت کی دھمکی، لائسنس منسوخ کئے جانے اور ملازمت سے نکالے جانے کے خوف کے باوجود وہ مسلسل مظاہرے کر رہے ہیں اور اب احتجاج بنگال سے نکل دہلی اور دیگر ریاستوں میں بھی شروع ہو گیا ہے۔ کیا وکلاء برادری کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے؟ یا قاتل وکیل کی طرح دیگر وکلاء کو بھی خاتون کا صدر بننا منظور نہیں تھا؟ بارکونسل کی صدر کیلئے کوئی احتجاج اور مظاہرہ کیوں نہیں؟ اترپردیش میں لاء اینڈ آرڈر نام کی کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ قتل، عصمت دری، ڈاکہ زنی اور دیگر کرائم کے واقعات میں مسلسل وہاں اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ چند دنوں میں متعدد بچیوں کے ساتھ ریپ کے واقعات سامنے آئے ہیں۔ صحافیوں کو مارنے اور ان کے ساتھ پولیس انتظامیہ کی جانب سے زدوکوب کرنے کی خبریں آئی ہیں اور اب تازہ واقعہ بارکونسل کی صدر کے قتل کا ہے۔

لاء اینڈ آرڈر کی اس سے بڑی ناکامی کیا ہوگی کہ عوام کے ساتھ صحافی اور وکلاء بھی وہاں غنڈہ گردی اور شرپسندوں سے محفوظ نہیں رہ گئے ہیں۔ دستور اور آئین نام کی کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ملک میں اسی طرح غنڈہ گردی چلتی رہے گی؟ آئین کی دھجیاں یونہی اڑائی جائیں گی؟ شرپسند اور غنڈہ گردی کرنے والے یونہی بے لگام رہیں گے؟ کیا یہ سب ملک اور ریاست کے مفاد میں ہے؟ ملک کی ترقی اور سلامتی کیلئے غنڈہ گردی پر لگام اور تحفظ کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ خوف اور دہشت کی سیاست کا خاتمہ کئے بغیر عوام کے درمیان چین وسکون ممکن نہیں ہے۔ (ڈاکٹر محمد منظور عالم جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل)

اپنی بچیوں کی حفاظت کیجئے

معصوم زہرا

ہم بچیوں کی تعلیم وتربیت میں اس قدر مگن ہوجاتے ہیں کہ کئی بار ان کی حفاظت کا پہلونظرانداز کر دیتے ہیں۔ بطور صنف نازک ایک ماں کے جذبات ہم سے اچھا بھلا کوئی سمجھ سکتا ہے؟ لیکن اس جذباتی لگاؤ سے زیادہ آگہی ضروری ہے کیونکہ تربیت کے ساتھ بیٹی کی حفاظت ضروری ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلا کردار ماں ہی ادا کرتی ہے، بچیاں محفوظ ہوں گی تو ان کی بہترین تربیت کا خواب پورا ہوسکے گا۔ بچیوں کے مسائل پر ہی نہیں بلکہ ان کی تمام حرکات وسکنات پر نظر رکھیں اور جہاں کہیں کچھ بھی غیر معمولی ہوان سے پیار محبت سے پوچھنے کی کوشش کریں۔ اگرچہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اساتذہ، والدین کا دوسرا روپ ہوتے ہیں لیکن آپ کو اس بات پر آنکھیں بند کرکے اندھا اعتماد نہیں کرنا۔ یہ دیکھیں کہ جن اساتذہ کو آپ اپنی بچیوں کے لیے منتخب کررہی ہیں وہ بھروسے کے قابل ہیں بھی یا نہیں۔ ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ فلاں بچی کے ساتھ اساتذہ نے غیر مناسب رویہ رکھا یا فلاں نے بچیوں کے ساتھ زیادتی کی۔ کچھ عرصہ قبل کسی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ ان کے رشتہ دار اپنی بچی کا خوف سمجھنے سے قاصر تھے، لیکن جب وہ ان کے گھر ملاقات کے لیے گئے تو اپنی دوراندیشی کی بدولت بھانپ گئے کہ بچی کو خوف کسی اور سے نہیں بلکہ اپنے ٹیوٹر سے ہے۔

اب تک اس بات کا رونا تھا کہ مسلم گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم کا اہتمام نہیں لیکن اب تعلیم پر پوری توجہ ہے پھر بھی معاشرہ محبت کرنے والی ماؤں، وفا شعار بیویوں اور سلیقہ مند، دین پسند بہن بیٹیوں سے محروم ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر توجہ ضرور دی لیکن غلط ڈھنگ پر، والدین مطمئن ہیں کہ انھوں نے اپنی بچیوں کو پڑھنے میں لگادیا مگر پھر اس کی فکر نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہی ہیں اور ان کو جو ماحول مل رہا ہے وہ کس قدر سازگار ہے؟

تعلیم کے ساتھ تربیت کے اس فقدان کو گھر کے ماحول میں دور کیا جاسکتا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ جتنی اچھی تربیت والدین کرسکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں کرسکتا بشرطیکہ انھیں اس کا احساس ہو اور پوری فکر بھی، پرانے دور میں جب تعلیم کی کمی تھی، والدین میں یہ احساس پوری شدت سے کارفرما تھا، تربیت کے معاملے میں کسی طرح کی تساہلی یا بے اعتنائی گوارا نہیں کی جاتی تھی، چنانچہ اس وقت کی لڑکیاں امور خانہ داری میں ماہر بھی ہوتی تھیں اور ساتھ ہی ان میں حد درجہ کا تحمل بھی ہوتا تھا، اچھی بری بات برداشت کرنے کا غیر معمولی مادہ ہوتا تھا، وہ جس گھر اور ماحول میں جاتی تھیں اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگ لیتی تھیں، ان کی کسی بات سے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا، کوئی بات مرضی کے خلاف ہوتی تو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی تھیں۔

لیکن آج کل کی لڑکیاں تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ان خوبیوں سے تہی دامن ہیں، اعلیٰ اخلاقی قدروں کا ان میں فقدان ہے، وہ اپنی مرضی کے خلاف چھوٹی سی بات بھی گوارا نہیں کرسکتیں، سسرال والوں کی کمزوریوں کو تلاش کرنا پھر اس کو اچھالنا ان کی عادت سی بنتی جارہی ہے۔ اگر اپنے ساتھ جہیز کی لعنت لے کر آئی ہیں تو اس کا غرور اس کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔ آج کل کی لڑکیوں کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزرتا ہے، اور اگر گھر میں رہتی ہیں تو اکثر موبائل فون پر مصروف رہتی ہیں۔

یورپ و امریکہ اور مغرب زدہ گھرانوں کی حالت ہمارے سامنے ہے، جہاں لڑکیوں کی تعلیم کا گراف سب سے اونچا ہے، تقریباً سبھی لڑکیاں پڑھی لکھی ہوتی ہیں، لیکن اخلاقی انارکی، نفسانیت اور عریانیت کی وبا ان میں بالکل عام ہے۔ اس لئے بچوں کو بچپن سے ہی تربیت دیں کہ جس طرح ان کی اپنی پرائیویسی ہے، اسی طرح دوسروں کی بھی ہے۔ چاہے بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں کوئی بھی کام کرنے سے قبل ایک دوسرے سے اجازت لیں مثلاً بھائی بہن کے کمرے میں اجازت لے کر جائے، اسی طرح بہن بھی مختلف باتوں کی اجازت لے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب آپ خود یہ عمل کرکے دکھائیں مثلاً جہاں بیٹیاں بیٹھی ہوں اس حصے میں جاتے ہوئے ان سے اجازت لیجیے۔

والدین کے سبب اکثر وبیشتر بچوں یا بچیوں کو ملازم کے سپرد کر جاتے ہیں۔ اگر آپ کا بچہ یا بچی کسی بڑے کے ساتھ کہیں باہر جانے میں یا تنہائی میں وقت گزارنے میں ہچکچائے تو کبھی بھی اس کو مجبور نہ کریں بلکہ وجہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نظر رکھیں کہ اسے کہیں بڑی عمر کے کسی مخصوص شخص کی صحبت تو پسند نہیں۔

صرف بچے ہی نہیں بلکہ ہم میں سے کتنے ہی بڑے ایسے ہوں گے، جو یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آپ کے باڈی رائٹس کیا ہیں؟ آپ نے کتنے فاصلے پر رہ کر کسی سے بات کرنی ہے؟ کسی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کن باتوں کا خیال رکھنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بطور ماں آپ کا فرض ہے کہ آپ بچیوں کو گڈ ٹچ اور بیڈ ٹچ سے آگاہ کریں۔ بیڈ ٹچ اور گڈ ٹچ سے متعلق آگہی فراہم کرنا اساتذہ یا میڈیا کا ہی نہیں آپ کا بھی کام ہے۔ بچوں سے اس بارے میں بات کرتے ہوئے شرمندگی محسوس نہ کریں، انھیں بتائیں کہ جسم کے مخصوص حصوں کو چھونے کی اجازت کسی کو بھی نہ دیں۔ بلاوجہ کسی کی گود میں بیٹھنے سے گریز کریں، پیار لینے سے ہی نہیں کسی کو بھی پیار کرنے یا چاکلیٹ لینے سے بھی گریز کریں۔ بچوں اور بچیوں کو اکیلے کمرے میں ہرگز ساتھ نہ سلائیں۔

برونائی میں اسلامی قانون کا نفاذ

مفتی رضوان القاسمی تاراپوری

برونائی میں اسی سال ۳/اپریل سے اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں آگیا ہے، یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ اسلامی قوانین کا نفاذ صرف مسلمانوں پر ہی ہوگا۔ برونائی جنوب مشرقی ایشیا میں جزیرہ بورنیو پر واقع تیل اور گیس سے مالامال چھوٹا، مگر امیر ترین مسلم اکثریتی ملک ہے۔ اس چھوٹی سی ریاست برونائی کی آبادی چار لاکھ بیس ہزار نفوس پر مشتمل ہے، جن میں سے دو تہائی کے قریب مسلمان ہیں۔ گویا اس ملک میں مسلم آبادی دو لاکھ اسی ہزار کے قریب ہے۔ یہ تعداد مغربی ریشہ دوانیوں کے سبب مارچ ۲۰۱۱ء سے اب تک صرف شام میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد سے کہیں کم ہے۔ برطانیہ میں قائم تنظیم سیریئن آبزرویٹری فار ہیومن رائٹس کے شام میں موجود ذرائع نے مارچ ۲۰۱۸ء تک شام میں ۳۵۳۹۰۰ (تین لاکھ ترپن ہزار نو سو) افراد کی ہلاکت کی تصدیق کی ہے۔ اس تعداد میں وہ ۵۶۹۰۰ (چھپن ہزار نو سو) افراد شامل نہیں ہیں، جو غائب ہیں، یا پھر ان کے بارے میں خیال ہے کہ وہ مرچکے ہیں۔ پھر مارچ ۲۰۱۸ء سے اب تک یعنی مئی ۲۰۱۹ء تک جو ہلاکتیں ہوئیں، ان کی تعداد اس سے ماسوا ہے اور جنگ اب بھی جاری ہے۔ اسکے علاوہ افغانستان، عراق، لیبیا، فلسطین سمیت پوری مسلم دنیا میں حالیہ برسوں میں انسانوں کو ہلاک کرنے کا جو بہیمانہ سلسلہ جاری ہے اس میں مہلوکین اور شہداء کی تعداد تو شمار سے باہر ہے، جو لاکھوں تک پہونچتی ہے، اگر ماضی کو بھی شامل کرلیں تو تصویر اور بھیانک ہوجائے گی، پہلی جنگ عظیم جو چار سال تک جاری رہی، اس میں ۹۰/لاکھ فوجی اور ایک کروڑ عام شہری مارے گئے، چار ملک تو صفحۂ ہستی سے ہی مٹ گئے، جن کا اس جنگ سے براہ راست کوئی تعلق بھی نہ تھا، ان میں سلطنت عثمانیہ بھی شامل تھی۔

سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد عالمی طاقتوں نے مسلم دنیا کو آپس میں تقسیم کرلیا، پہلی جنگ عظیم کے محض بیس سال بعد دوسری جنگ عظیم دنیا پر عذاب کی صورت میں آئی، اس سات سالہ جنگ میں گیارہ کروڑ فوجی اور شہری ہلاک ہوئے، یہ تعداد ۱۹۴۰ء میں دنیا کی کل آبادی کا تین فیصد تھی، یہ انسانی جانوں کے اتلاف اور انہیں بے حقیقت سمجھنے کی ایک بہت ہلکی سی جھلک ہے۔ لیکن یہ اس بات کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے کہ ماضی سے لے کر اب تک انسانی خون کے تاجر ایک ہی راہ پر چل رہے ہیں، وہ اپنے اسلحہ کی فروخت کو تمام اصولوں اور نظریات پر فوقیت دیتے ہیں، انہیں تخریب کاری، بدامنی، انتشار پسندی میں لطف آتا ہے۔ وہ بے راہ روی، فحاشی، اباحیت پسندی اور نفس پرستی کے دلدادہ ہیں، انہیں ہر وہ قدم اور راہ عزیز ہے جو نفس پرستی اور زر پرستی کے لیے سازگار ہو، وہ راہ جو نفس پرستی اور زر پرستی کی طرف نہ جاتی ہو اور وہ قدم جو اس کے خلاف سمت کی طرف اٹھتے ہوں، انہیں وہ ہرگز گوارہ نہیں ہیں۔ ایسا ہی کچھ منظر اس وقت بھی دیکھنے کو مل رہا ہے، عالمی طاقتوں اور عالمی برادری کو لاتعداد انسانوں کی ہلاکت اور تباہی وبربادی تو عزیز ہے، لیکن یہ گوارہ نہیں ہے کہ برونائی میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو اور وہاں کی چار لاکھ بیس ہزار نفوس پر مشتمل آبادی میں سے بھی مسلم آبادی جو دو تہائی یعنی دو لاکھ اسی ہزار کے قریب ہے وہ اپنی زندگی اور معاملات میں اسلامی قوانین کا اطلاق کرے، فطری تقاضوں اور اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے۔

یہی وجہ ہے کہ عالمی برادری نے برونائی میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے اعلان کے وقت سے ہی اس کی مذمت اور مخالفت شروع کردی ہے۔ امریکہ سمیت کئی مغربی ملکوں نے سخت ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ امریکی محکمۂ خارجہ کے ترجمان رابرڈ پلاڈینو نے کہا ہے کہ غیر انسانی اور تشدد پر مبنی سزائیں قطعی طور پر قابل قبول نہیں ہیں، اور یہ اقدام انسانی حقوق کے منافی ہے، جس پر برونائی نے دستخط کیے ہیں۔ اقوام متحدہ نے بھی اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے اور ان قوانین کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیا ہے، اقوام متحدہ کی جانب سے ان قوانین کو ظالمانہ اور غیر انسانی قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ حقوق انسانی کے تحفظ کے سلسلہ میں بڑا دھچکا ہیں۔ حقوق انسانی کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل کی نمائندہ ریچل باروورڈ کا کہنا ہے کہ ’’برونائی کا پینل کوڈ ایک ایسا مسودۂ قانون ہے جس میں بہت سے سقم ہیں، اور اس کی کئی شقیں حقوق انسانی کی خلاف ورزی کرتی ہیں، اس منصوبے کو پانچ برس قبل بھی بڑے پیمانے پر مذمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔‘‘ حقوق انسانی کی ایک دوسری تنظیم ہیومن رائٹس واچ کا کہنا ہے کہ ’’یہ اقدام قرون وسطیٰ کے دور کی ظالمانہ سزاؤں کے نظام کو اپنانے کے مترادف ہے، جس بات کی آج کی اکیسویں صدی کے اس جدید دور میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔‘‘ اس نے برونائی کی حکومت کو خبردار کیا ہے کہ نئے شرعی قوانین کے اطلاق سے غیر ملکی سیاحوں اور تاجر برادری کی توجہ کم ہوجائے گی، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسانی حقوق بری طرح متاثر ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیموں کو نفوذ اسلام پر ظلم نظر آتا ہے، مگر چین و برما میں بہیمانہ قتل، فلسطینیوں کی آہ وبکا اور فریاد پر کان دھرنے اور ان ظالم حکومتوں کے خلاف دو لفظ کہنے کی فرصت وہمت نہیں ہے۔

اسلامی قوانین کے نفاذ کی عالمی برادری کی طرف سے مذمت اور مخالفت خلاف توقع نہیں ہے، اور خود برونائی کے لیے بھی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے قدم کی ہر سمت سے مذمت تو ہونی ہی تھی، اس مذمت میں عالمی برادری اور عالمی طاقتوں کے علاوہ مغرب کی کٹھ پتلی میڈیا بھی پیش پیش ہے، جو برونائی کے جرائم پیشہ اور بے راہ رو نفس پرستوں کی اِکّا دُکّا رایوں کو بڑھا چڑھا کر ہوّا بنا کر پیش کر رہا ہے، لیکن جو چیز توقع کے عین مطابق ہے وہ برونائی کی سنجیدگی اور تحمل ہے، برونائی کے سرکاری اعلامیہ میں کہا گیا ہے شرعی قوانین ایسے جرائم کے خلاف ہیں جو اسلامی تعلیمات کے منافی اور خلاف ہیں، اور یہ قوانین ہر فرد کو چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو مکمل آزادی اور تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں۔ برونائی کی سرکاری ویب سائٹ پر جاری اعلامیہ میں ۷۲/سالہ بادشاہ سلطان حسن البلقیہ نے کہا ہے کہ وہ لوگوں سے یہ امید نہیں رکھتے کہ وہ شرعی قوانین کے نفاذ کے ان کے فیصلے سے متفق ہوں گے یا اس کو قبول کریں گے، لیکن اتنا ہی کافی ہوگا کہ دنیا ان کی قوم کا اسی طرح احترام کرے جیسا کہ برونائی دوسروں کا کرتا ہے۔ میں اپنے ملک میں شرعی قوانین دیکھنا چاہتا ہوں کیوں کہ اسی کے ذریعہ جرائم پر قابو پانا ممکن ہے، اور ہم دنیا بھر میں ترقی بھی کرسکتے ہیں۔ وزیر قانون اور مذہبی امور کے وزیر نے مشترکہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا: ’’آج ہمارے لیے خوشی کا دن ہے کہ مستقبل میں ہم مجرمان کو اسلام اور قرآنی احکامات کے مطابق سزائیں دے سکیں گے۔ عالمی تنقید پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ برونائی کے اندرونی معاملات کو حکومت اور عوام ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، لہٰذا بیرونی ممالک یا این جی اوز کو اس میں دخل اندازی اور منہ مارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم اس حوالہ سے کوئی بیرونی دباؤ برداشت کریں گے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں چار لوگ گواہی دیں گے تو عدالت اسی حساب سے فیصلہ کرے گی، ہم اپنی سرزمین پر کسی گندے فعل اور گھناؤنے کام کی اجازت نہیں دے سکتے۔‘‘ ایک انتہائی چھوٹی سی ریاست کی طرف سے انتہائی سنجیدگی اور تحمل کے ساتھ اٹھایا گیا قدم نسیم سحر کی نوید ہے، مرکز طلوع اسلام کے لیے سبق ہے، مسلم دنیا کے لیے پیغام ہے، اور اس تسلسل کی طرف اشارہ ہے جو قدم بہ قدم آہستہ آہستہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بعض تاریخی روایت کے مطابق عہد فاروقی ہی میں مسلمان ہندوستان میں قدم رکھ چکے تھے، وہ ایک تاجر کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے تھے؛ لیکن اس وقت مسلمانوں کے اندر دعوتی جذبہ اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ وہ جہاں جاتے اور جس کام کے لئے جاتے، دین حق کی امانت بھی اپنے ساتھ لے کر جاتے اور لوگوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچاتے، مسلمانوں کا یہ گروہ جنوبی ہند کے مالا بار علاقہ میں بحیثیت تاجر وارد ہوا، اب بھی اس کے بعض شواہد موجود ہیں، پھر بنواُمیہ کے عہد میں ہی سمندری قزاقوں کی سرکوبی اور سندھ کے باشندوں کو ظالم حکمراں سے نجات دلانے کے لئے ۷۱۲ء میں محمد ابن قاسمؒ پہنچے، انھوں نے ظالم حکمرانوں پر قابو پایا اور مقامی باشندوں پر حسن اخلاق کے ایسے نقوش چھوڑے کہ ان کے واپس ہونے کے بعد بھی عرصہ تک لوگوں نے ان کا مجسمہ بنا کر پرستش کی، محمد بن قاسم اگرچہ فوج کے جلو میں آئے تھے؛ لیکن انھوں نے فولاد کی تلوار سے زیادہ اخلاق کی تلوار سے کام لیا اور اس کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا؛ چنانچہ سندھ کا علاقہ جو پاکستان میں ہے، اس کی غالب اکثریت اس وقت سے آج تک حلقہ بگوش اسلام ہے۔

پھر اس کے بعد ۹۷۷ء میں مغرب کی طرف سے عجمی نژاد نو مسلم قبائل ہندوستان کی طرف بڑھے اور مختلف خاندانوں نے یہاں آکر حکومت کی، یہ اگرچہ مسلمان تھے؛ لیکن ایک آدھ فرماں رواؤں کو چھوڑ کر دعوتی جذبہ سے محروم تھے، انھوں نے اشاعت اسلام کے بجائے خوبصورت اور پُرشکوہ عمارتوں کی تعمیر پر توجہ دی، اگرچہ اس سے عوام کو فائدہ ہوا؛ کیوں کہ اس زمانے میں یہ مزدوروں کو روزگار فراہم کرنے کا ایک ذریعہ تھا، اسی طرح انھوں نے ملک کی بھلائی کے بہت سے کام کئے، جیسے: زراعت کو ترقی دینا، آب پاشی کا انتظام، سڑکوں کی تعمیر، مویشیوں کی پرورش کے شعبہ میں ترقی، اس زمانے کے معیار کے لحاظ سے صنعتوں کو بڑھانا وغیرہ؛ لیکن انھوں نے دعوتِ دین کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، انھوں نے تمام رعایا کے ساتھ انصاف اور برابری کا سلوک کیا؛ اسی لئے مسلم حکمرانوں کے دور اقتدار میں بہت کم بغاوت کے واقعات ملتے ہیں، تاہم جیسا کہ حکمرانوں کا رواج رہا ہے، ان سے بعض اوقات زیادتیاں بھی ہوئی ہیں اور یہ اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ بھی ہوئی ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی، تاہم یہ پورا دور امن وامان اور اطمینان کا دور رہا۔

مسلمانوں کے بعد انگریز آئے، انھوں نے تمام ہندوستانیوں پر بڑے مظالم ڈھائے، مگر مسلمان ان کے ظلم و جور کا زیادہ شکار ہوئے؛ کیوں کہ وہ ان کو اپنا حریف خیال کرتے تھے؛ لیکن ہندوؤں اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں پر بھی ستم ڈھائے گئے، یہاں تک کہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر اور شیر وشکر ہو کر آزادی کی لڑائی لڑی، تقریباً ۲۰۰ سال کی جدوجہد کے بعد انگریز اس ملک کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے، ہر حکمراں کی خواہش ہوتی ہے کہ رعایا میں اتحاد نہ ہو؛ کیوں کہ رعایا کا آپسی اختلاف حکمرانوں کے تخت اقتدار کو مستحکم کئے رہتا ہے؛ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان منظّم طور پر نفرت پیدا کی اور اس مقصد کے لئے مسلم دور کی تاریخ مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، انگریزوں کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لئے ایک فرقہ پرست برہمن لابی مل گئی، جس نے آر ایس ایس کی صورت اختیار کی، اگر آر ایس ایس کی موجودہ فکر کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے: مسلم دشمنی؛ کیوں کہ ہندوؤں کو متحد کرنے کے لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور فارمولہ نہیں ہے، آر ایس ایس ۱۹۴۷ء میں اپنے ایجنڈے کو بروئے کار لانا چاہتی تھی؛ لیکن جمہوریت پسند قد آور لیڈروں کی موجودگی کی وجہ سے اسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکی اور گاندھی جی کے قتل نے ملک میں اس کے خلاف نفرت کی لہر پیدا کردی، مگر انھوں نے کچھ کُھلے اور چُھپے منصوبے بنائے، مختلف مقاصد کے لئے ادارے قائم کئے، لٹریچر مرتب کئے، پابندی سے اپنے تربیتی کیمپ لگاتے رہے، اس کے لئے انھوں نے بعض عالمی واقعات وتجربات کا مطالعہ بھی کیا، خاص کر نازی ازم اور اسرائیل کی پالیسیوں کا گہرائی سے جائزہ لیا اور اسرائیل کے نفرت انگیز شدت پسند طرز عمل کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا، نیز اپنے چہرے کو بین الاقوامی سطح پر قابل قبول بنانے کے لئے اس کی مدد بھی حاصل کی۔

آخر وہ ۷۰ سال کی کوششوں کے بعد قصر اقتدار کی مختلف سیڑھیوں سے چڑھتے ہوئے آج اس کے بام و در پر قابض ہو چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس ملک کی ہر چیز زعفرانی رنگ میں رنگ جائے، شاید اگر انسانوں کو جسمانی طور پر رنگا جاسکتا تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے، موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ کمیونسٹوں کا قلعہ ٹوٹ چکا ہے اور ہندوستان میں جو سیاسی پارٹیاں اپنے آپ کو سیکولر کہا کرتی تھیں، انھوں نے ہتھیار ڈال دیا ہے، اب اس وقت فرقہ واریت کے مقابلے میں کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے، جو کھڑی ہونے کو تیار ہو، نفرت اور تشدد کا رُخ پوری طرح اقلیتوں کی طرف ہے اور بالخصوص مسلمانوں کی طرف؛ کیوں کہ بعض اقلیتیں تو ملک کے دستور کے لحاظ سے ہندوؤں کے زمرے میں شامل کردی گئی ہیں، رہ گئے مسلمان اور عیسائی، تو عیسائی پوری طرح اکثریتی فرقہ پرستی کے سامنے سربسجود ہیں اور انھوں نے تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے ''ہندوتوا'' کو قبول کرلیا ہے: اس لئے اب مسلمانوں کو بظاہر تنہا ہی اس لڑائی کو لڑنا اور اپنی شناخت کو باقی رکھنا ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ ان کو کچھ انصاف پسند ایسے لیڈروں، دانشوروں اور صحافیوں کا ساتھ مل سکتا ہے، جن کا تعلق اکثریتی فرقہ سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، اور مختلف میدانوں میں ان کا کیا منصوبہ ہونا چاہئے؟ اس پس منظر میں چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے دین اور اپنی شریعت پر ثابت قدمی پیدا کی جائے، ہمارا یقین ہے کہ اسلام دین حق ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ابدی پیغام ہے، جو سچائی اور انصاف پر مبنی اور دنیا وآخرت کی بھلائی کا ضامن ہے؛ اس لئے ہمیں دین کے معاملہ میں پوری طرح ثابت قدم رہنا چاہئے، مسلمان اس سے کہیں بڑے بڑے امتحان سے گزر چکے ہیں، وقتی طور پر وہ کچھ دشواریوں سے ضرور دوچار ہوئے؛ لیکن ایمان پر ثابت قدمی اور دین پر جماؤ کی وجہ سے ان کی شناخت اور پہچان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکا؛ بلکہ دین سے ان کا تعلق اور بڑھ گیا، اور یہ عہد صحابہ سے ہوتا رہا ہے، غزوۂ اُحد کے موقع پر ابوسفیان نے مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ وہ آئندہ سال دوبارہ بدر کے میدان میں آئیں اور مقابلہ کریں، رسول اللہؐ نے اس چیلنج کو قبول فرمایا؛ چنانچہ آئندہ سال آپ ستر (۷۰) مسلمانوں کے ساتھ بدر کے میدان میں پہنچے، ابوسفیان بھی مشرکین مکہ کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلا اور ''مرالظہران'' نامی مقام تک آیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رُعب ڈال دیا اور اس نے واپسی کا ارادہ کرلیا، مگر خیال آیا کہ اگر مسلمان بدر پہنچے اور ہم نہیں پہنچے تو بہت شرم کی بات ہوگی، اس نے ایک تدبیر کی کہ نُعیم ابن مسعود اَشجعی (جواب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جو مکہ جارہے تھے، ان سے کہا: چوں کہ اس سال بہت قحط ہے؛ اس لئے ہم واپس لوٹ جانا چاہتے ہیں؛ لیکن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نکلے اور میں نہیں نکلا تو مسلمانوں کی ہمت بڑھ جائے گی؛ اس لئے تم ان کو سمجھاؤ کہ وہ مقابلے پر نہیں آئیں اور اس کے بدلہ ہم تم کو دس اونٹ دیں گے، جب نعیم آئے تو دیکھا کہ مسلمان سفر کی تیاری کررہے ہیں، انھوں نے مسلمانوں سے غزوۂ اُحد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے تمہارے گھر آکر تمہارے بہت سے لوگوں کو قتل کردیا، اب اگر تم ان کی طرف جاؤ گے، تو تم میں سے کوئی بچ کر واپس نہیں آئے گا، بعض مسلمان بھی ان کی اس بات سے متاثر ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تو ضرور نکلوں گا، چاہے تنہا نکلنا پڑے۔ ''**والذی نفس محمد بیدہ لأخرجن إلیهم ولو وحدی**'' (مفاتیح الغیب: ۵۷۲۸) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: **الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.** (آل عمران: ۱۷۳)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے ان سے کہا: تمہارے مقابلہ میں لوگ اکٹھا ہوگئے ہیں، تم ان سے ڈر کر رہو تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے کہا: ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے!

اِس وقت بھی یہی صورتِ حال ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں متحد ہوگئی ہیں اور وہ مسلمانوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنا چاہتی ہیں، گوکشی، جے شری رام اور وندے ماترم کہلانے کے عنوان سے جابجا مسلمانوں پر حملے کئے جارہے ہیں، نامنصفانہ قتل کے واقعات پیش آرہے ہیں، بعض جگہ مسلمانوں کا بائیکاٹ بھی کیا جارہا ہے، یہ سب مشرکین مکہ کے رویہ کے بازگشت ہے، اس طرح کے واقعات پیش آتے رہے ہیں اور پیش آتے رہیں گے؛ لیکن اس دین حق کے لئے اللہ کے پیغمبروں نے تکلیفیں اُٹھائیں اور ان کے رفقاء نے جان ومال کی مصیبت کو برداشت کیا، بائیکاٹ کی صعوبتوں کو سہا؛ لیکن ان کی زبان پر ایک ہی نعرہ رہا: ''**حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**''

یہی کیفیت آج کے حالات میں بھی مسلمانوں سے مطلوب ہے، یہ بات علماء، مذہبی قائدین اور مسلم سماج کی نمائندہ شخصیتوں کو عام مسلمانوں تک پہنچانی ہوگی، انھیں ان صحابہ کی یاد دلانی ہوگی، جنھوں نے ناقابل تصور مشقتوں کو برداشت کیا؛ لیکن ان کے قدم میں کوئی تزلزل نہیں آیا، آج بھی برما اور چین جیسے ملکوں میں ایمان پر قائم مسلمانوں کی مثالیں موجود ہیں، اگر ہم مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھا پائے کہ ایمان کی دولت ہماری جان اور ہماری زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے، تو ان مشکل حالات میں ہم ایمان کی حفاظت اور حق پر ثابت قدمی کے سب سے اہم فریضہ کو ادا نہیں کرپائیں گے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدمی کی دُعا فرمایا کرتے تھے: ''**اللّٰهم إنی أسئلک الثبات فی الأمر والعزیمة علی الرشد.**'' (نسائی، عن شداد بن اوس: ۵۴۳)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے مجھے دس باتوں کی نصیحت فرمائی، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ چاہے تمہیں قتل کردیا جائے اور چاہے تم کو نذر آتش کردیا جائے؛ لیکن اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا:

''**لا تشرک باللّٰہ شیئا وان قتلت وحرقت**'' (مسند احمد، عن معاذ بن جبل: ۲۳۸۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی اور فرمایا کہ دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو؛ لیکن اگر اس کی نوبت آہی جائے تو صبر سے کام لو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے:

''**فإذا لقیتموہ فاصبروا.**'' (بخاری، حدیث نمبر: ۲۸۱۸)

افسوس کہ گذشتہ چند ہی دنوں میں بہت سے مسلمان کہلانے والوں کی زبان بدل گئی اور وہ ظالم کو ظالم کہنے سے بھی کترانے لگے؛ حالاں کہ یہ بہت بڑا جہاد ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے:

''**ان من اعظم الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر.**'' (ترمذی، حدیث نمبر: ۲۱۷۴)

مومن کی شان یہ ہے کہ آزمائشوں کی وجہ سے نہ اس کا ضمیر بدلے اور نہ اس کی زبان تبدیل ہو؛ بلکہ وہ ہر حال میں باطل کی مزاحمت جاری رکھے، اور انصاف اور سچائی کے خلاف کوئی بات قبول نہیں کرے۔

سید محمد عادل فریدی

اخبارِ جہاں

بشکیک میں مودی اور عمران خان کے درمیان دعا سلام

کرغزستان کے بشکیک میں منعقدہ شنگھائی تعاون تنظیم (ایس سی او) سربراہ اجلاس کے دوران ہندوستانی وزیراعظم نریندر مودی اور پاکستان کے وزیراعظم عمران خان کے درمیان دعا سلام ہوئی اور دونوں نے غیر رسمی طور پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ اجلاس کے دوران ہندوستانی وزیراعظم نریندر مودی نے پاکستان کو الگ تھلگ اور شرمندہ کرتے ہوئے اس کے وزیراعظم عمران خان کے سامنے کہا کہ جو ملک دہشت گردوں کو محفوظ پناہ اور تحفظ اور مالی مدد دے کر اسے فروغ دے رہے ہیں، انہیں اس کے لئے جوابدہ ٹھہرایا جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے ایک بین الاقوامی سطح کی کانفرنس کا اپیل کرتا ہے، انہوں نے ۹ر جون کے اپنے سری لنکا کے دورے کے تجربے کا اشتراک کرتے ہوئے کہا کہ ''گزشتہ اتوار سری لنکا کے دورے کے دوران، میں سینٹ انٹونی چرچ گیا تھا۔ وہاں مجھے دہشت گردی کا وہ گھناؤنا چہرہ دیکھنے کو ملا جو کہیں بھی، کبھی بھی ظاہر ہوکر روز معصوموں کی جان لیتا ہے۔'' مسٹر مودی کی طرف سے دہشت گردی کے خلاف ظاہر کیے گئے ہندوستان کے عزم کو کانفرنس میں موجود روس کے صدر ولادی میر پوٹن اور چین کے صدر شی جن پنگ نے بھی غور سے سنا۔ مسٹر مودی نے شنگھائی تعاون تنظیم کے رکن ممالک کا علاقائی انسداد دہشت گردی فریم ورک کے تحت تعاون بڑھانے کی بھی اپیل کی۔ (یو این آئی)

ہندوستان اور کرغزستان میں سرمایہ کاری کے فروغ سے متعلق تبادلہ خیال

ہندوستانی وزیراعظم نریندر مودی نے ہندوستان اور کرغزستان کی کاروباری برادری سے دونوں ممالک میں سرمایہ کاری میں اضافہ کے امکانات تلاش کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان تجارت اور سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لئے دوطرفہ سرمایہ کاری معاہدوں پر غور کرنے کے علاوہ ایک پنج سالہ منصوبہ پر عمل ہو رہا ہے۔ مسٹر مودی نے کرغزستان کے صدر جین بے کوسوورون بے کے ساتھ جمعہ کو ہند کرغزستان کاروباری فورم کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ کاروبار کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کے لئے ایک مشترکہ نظام بنایا جا رہا ہے۔ (یو این آئی)

سوڈان میں فوجی تختہ پلٹ کی کوششیں: ٹی ایم سی

فوجی تختہ پلٹ کے بعد مستقل طور سے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے والی سوڈان کی عبوری فوجی کونسل (ٹی ایم سی) نے کہا ہے کہ اس سال اپریل میں اس وقت کے صدر عمر البشیر کو ہٹائے جانے کے بعد بھی تختہ پلٹ کی کئی کوشش کی گئی ہیں۔ ٹی ایم سی کے ترجمان شمس الدین قباشی نے جمعرات کو نامہ نگاروں کی ایک کانفرنس میں بتایا کہ تختہ پلٹ کی دو کوششوں کو ناکام کیا گیا ہے اور اس تعلق سے کئی فوجی افسران کو گرفتار کیا گیا ہے۔ (یو این آئی)

سعودی عرب نے چرچ حملے کے ۵ر ملزمین سری لنکا کے حوالے کیے

سعودی عرب نے ایسٹر تہوار پر چرچ حملوں میں ملوث جماعت سے تعلق رکھنے والے ۵ر مشتبہ افراد کو سری لنکا کے حوالے کر دیا۔ سری لنکا کی پولیس نے چرچ حملوں میں سہولت کار کا کردار ادا کرنے والے ۵ر مشتبہ افراد کی سعودی عرب سے حوالگی کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان ملزمان میں نیشنل توحید جماعت کا سینئر رہنما محمد ملہان بھی شامل ہے۔ ان افراد کو سری لنکا کی نشاندہی پر دبئی سے حراست میں لیا گیا تھا، بعد ازاں ان افراد کو جدہ لایا گیا جہاں ضروری قانونی کارروائی کے بعد ملزمین کو کولمبو بھیج دیا گیا۔ واضح رہے کہ رواں برس عیسائیوں کے مذہبی تہوار ایسٹر کے موقع پر سری لنکا کے ۶ر چرچوں میں تقاریب اور تہوار میں شرکت کے لیے دنیا بھر سے آنے والے مہمانوں کی قیام گاہ: ۶ر لگژری ہوٹلوں پر خودکش حملہ کیا گیا تھا جس میں ڈھائی سو سے زائد افراد ہلاک ہوئے تھے۔ (نیوز ایکسپریس)

دنیا کا سب سے کم پُرامن ملک کون سا؟

بین الاقوامی تھنک ٹینک ''دی انسٹی ٹیوٹ آف اکانومک اینڈ پیس'' نے ۲۰۱۹ء کی رپورٹ میں دنیا کے ۱۶۳ر ملکوں کی امن کے لحاظ سے درجہ بندی کی ہے۔ اس رپورٹ میں کل ۱۶۳ر ممالک میں سے پاکستان کا شمار ۱۵۳ر نمبر پر ہے۔ دنیا کے پرامن ممالک میں سرفہرست آئس لینڈ ہے، دوسرے نمبر پر نیوزی لینڈ جبکہ پرتگال، آسٹریا اور ڈنمارک تیسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہیں۔ دنیا کے کم پرامن ممالک میں پہلے نمبر پر افغانستان، دوسرے نمبر پر شام جبکہ تیسرے اور چوتھے نمبر پر جنوبی سوڈان اور یمن ہیں۔ اس فہرست میں انڈیا کا شمار بائیسویں، ایران کا شمار چوبیسویں جبکہ امریکہ کا شمار دنیا کے کم پرامن ممالک میں پینتیسویں نمبر پر ہے۔ (بی بی سی لندن)

کیا ''گیانا'' تیل کے ذخائر برآمد ہونے کے بعد دنیا کا امیر ترین ملک بن جائے گا؟

یہ سننے میں ناقابل اعتبار لگتا ہے لیکن جنوبی امریکہ کے دوسرے غریب ترین ملک ''گیانا'' کی ساڑھے سات لاکھ آبادی کی فی کس دولت آسمان کی بلندیوں تک پہنچ سکتی ہے، تیل کی دریافت کے بعد یہ خطے کے امیر ترین ممالک کی فہرست میں شامل ہوسکتا ہے۔ لیکن کیا گیانا تیل کی نام نہاد لعنت سے بچ کر اسے اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کر سکے گا؟ گذشتہ برس نومبر میں گیانا کے دارالحکومت جارج ٹاؤن میں امریکی سفیر پیرے ہولووے نے بتایا: ''بہت سے لوگوں کو ابھی تک یہ پتا ہی نہیں کہ یہ کتنی بڑی بات ہے، ۲۰۲۵ء آنے دیجیے یہاں کی جی ڈی پی میں ۳۰۰ر فیصد سے ۱۰۰۰ر فیصد تک کا اضافہ ہو جائے گا، یہ بہت وسیع ہے، آپ اس خطے کے امیر ترین بلکہ ممکنہ طور پر دنیا کے امیر ترین ملک بن جائیں گے۔ (بی بی سی لندن)

بزنس روزگار و کیریئر

بہار بورڈ کا اکیڈمک کیلنڈر جاری

بہار اسکول اگزامنیشن بورڈ نے جمعرات کو اکیڈمک کیلنڈر جاری کر دیا، بورڈ کے چیرمین آنند کشور نے اکیڈمک کیلنڈر جاری کرتے ہوئے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانوں کی تاریخ کا بھی اعلان کیا، کیلنڈر میں پریکٹیکل امتحان کی تاریخ بھی دی گئی ہے۔ کیلنڈر کے مطابق ۲۰۲۰ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان ۳ر فروری سے ۱۳ر فروری تک ہوگا، ۱۰ر جنوری سے ۲۲ر جنوری تک پریکٹیکل امتحانات ہوں گے۔ میٹرک کا امتحان ۱۷ر فروری سے شروع ہوگا اور ۲۵ر فروری تک جاری رہے گا، میٹرک کا پریکٹیکل امتحان ۲۰ر جنوری سے ۲۲ر جنوری تک ہوگا۔ اس اکیڈمک کیلنڈر میں آن لائن فارم بھرنے، فیس جمع کرنے، ڈی ایل ایڈ سال اول اور دوم کے امتحانوں کی تاریخ اور ملتلا رہائشی اسکول کے امتحانات کے متعلق تفصیلات بھی درج ہیں۔ اکیڈمک کیلنڈر دیکھنے کے لیے بہار بورڈ کی آفیشل ویب سائٹ /http://biharboardonline.bihar.gov.in پر لاگ ان کر سکتے ہیں۔

یونیورسٹیوں میں جلد ہی شروع ہوگا ۹ر ہزار اساتذہ کی بحالی کا عمل

طویل عرصے سے اساتذہ اور عملہ کی کمی جھیل رہی بہار کی تمام یونیورسٹیوں اور ملحقہ کالجوں میں بڑے پیمانے پر تقرری کا عمل شروع ہونے جا رہا ہے، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اساتذہ کے تقریباً نو ہزار خالی عہدوں پر تقرری جولائی سے شروع ہوجائے گی۔ اس کے لیے محکمہ تعلیم نے بہار اسٹیٹ یونیورسٹی سروس کمیشن کو نوٹیفکیشن بھیجنے کی تیاری مکمل کر لی ہے۔ اس سے قبل یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (یو جی سی) نے بھی چھ ماہ میں یونیورسٹیوں اور ملحقہ کالجوں میں اساتذہ کے خالی عہدوں پر تقرری کا عمل مکمل کر لینے کی ہدایت محکمہ تعلیم کو دی ہے۔ ساتھ ہی غیر تدریسی ملازمین کے ۲۰ر ہزار سے زائد خالی عہدوں کو بھی پُر کیا جائے گا۔

ریاست کی کس یونیورسٹی میں اساتذہ کی کتنی جگہیں خالی ہیں:

☆ مگدھ یونیورسٹی	۱۴۴۳	☆ ویر کنور سنگھ یونیورسٹی	۵۹۶	☆ پٹنہ یونیورسٹی	۴۹۲
☆ للت نارائن متھلا یونیورسٹی	۱۱۹۹	☆ بی این منڈل یونیورسٹی	۶۹۸	☆ بہار یونیورسٹی	۱۱۶۰
☆ مولانا مظہر الحق یونیورسٹی	۵۵	☆ تلکا مانجھی یونیورسٹی	۸۲۶	☆ جے پرکاش یونیورسٹی	۶۳۶
☆ کامیشور سنگھ سنسکرت یونیورسٹی	۳۸۰				

(بحوالہ روزنامہ انقلاب)

جے ای ای ایڈوانس کا نتیجہ نکلا؛ لڑکوں میں چندریش اور لڑکیوں میں شبنم سرفہرست

مہاراشٹر کے بلارپور کی گپت کارتکیئے چندریش نے آئی آئی ٹی میں داخلہ کے لئے جے ای ای ایڈوانس امتحان کی قومی رینکنگ میں ٹاپ کیا ہے جبکہ گجرات کے احمد آباد کی شبنم سہائے نے لڑکیوں میں پہلا مقام حاصل کیا ہے۔ اتر پردیش کے الہ آباد کے ہمانشو گورو سنگھ نے دوسری پوزیشن حاصل کی ہے اور دہلی کے آرچت بوبنا نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ مدھیہ پردیش میں ستنا کے سمن جین نے معذوروں کے زمرے میں ٹاپ کیا ہے۔ درج فہرست ذات کے زمرے میں بھونیشور کے سنبت بیہرا اور قبائلی زمرے کے امیدواروں میں جے پور کے پیوش راج ٹاپ پر ہیں۔ ہمانشو نے پسماندہ طبقہ میں پہلی جگہ حاصل کی ہے۔ اقتصادی طور پر کمزور طالب علموں کے زمرے میں آندھرا پردیش کے حیدرآباد سے متصل مادھاپور کے ڈی چندر شیکھر ایس ایس ھیتا ھویا نے ٹاپ کیا ہے۔ لڑکیوں میں دوسرا مقام مادھاپور کی ایس ایس وگنا جبکہ ممبئی کی تلپ پانڈے نے تیسرا مقام حاصل کیا ہے۔ جے ای ای ایڈوانس ۲۰۱۹ء کے پیپر اول اور دوم میں کل ۱۳۱۹۱۶ (ایک لاکھ اکتیس ہزار نو سو سولہ) امیدواروں نے امتحان دیا تھا جن میں سے ۳۸۷۰۵ (اڑتیس ہزار سات سو پانچ) طلبہ پاس ہوئے۔ ان میں ۵۳۵۶ (پانچ ہزار تین سو چھپن) لڑکیاں شامل ہیں۔ اس سال ۸۷۵۸ (آٹھ ہزار سات سو اٹھاون) ایس سی اور ۳۰۹۴ (تین ہزار چورانوے) ایس ٹی طلبہ کامیاب ہوئے ہیں۔ (یو این آئی)

کولکاتا میں ڈاکٹروں پر حملہ کے خلاف ڈاکٹروں کا ملک گیر احتجاج

کولکاتا میں ڈاکٹروں پر حملے کے خلاف چل رہی ڈاکٹروں کی ہڑتال نے ملک گیر احتجاج کی شکل اختیار کر لی ہے۔ کولکاتا میں سرکاری اور ریذیڈنٹ ڈاکٹرز کئی دنوں سے ہڑتال پر ہیں اور وزیراعلیٰ ممتا بنرجی کی طرف سے کام پر لوٹنے کا الٹی میٹم دیے جانے کے باوجود وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ دریں اثنا کولکاتا کی یہ آگ اب ملک کی مختلف ریاستوں تک پہنچ گئی ہے اور ڈاکٹروں نے یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے دہلی، ممبئی، پونے، پٹنہ، رائے پور، بھوپال وغیرہ متعدد شہروں میں ہڑتال شروع کر دی ہے۔ دریں اثنا مغربی بنگال میں تین دنوں تک طبی خدمات ٹھپ رہنے کے بعد جمعرات کو وزیراعلیٰ ممتا بنرجی نے دوپہر کو کولکاتا میں واقعہ ریاست کے سب سے بڑے سرکاری اسپتال ایس ایس کے ایم میڈیکل کالج اسپتال کا دورہ کیا تھا۔ وہاں انہوں نے احتجاجی ڈاکٹروں کو فوری ہڑتال ختم کرنے کا الٹی میٹم دیا تھا۔ ممتا نے ڈاکٹروں سے دوپہر دو بجے تک احتجاج ختم کرنے کے لئے کہا تھا۔ حالانکہ ان پر ممتا کے الٹی میٹم کا کوئی اثر نہیں پڑا اور انہوں نے اسپتال میں ہی ممتا کے خلاف نعرے بازی کی۔

کیا ہے اصل معاملہ؟

کولکاتا کے سرکاری این آر ایس اسپتال میں ایک 75 سالہ مریض کی موت کے بعد اس کے اہل خانہ نے مبینہ طور پر جونیئر ڈاکٹر کے ساتھ مار پیٹ کی تھی، اس کے بعد منگل کی صبح سے وہاں احتجاج کی آگ بھڑک اٹھی اور معمول کی خدمات کو ٹھپ کر دیا گیا۔ فوت ہونے والے شخص کے اہل خانہ نے ڈاکٹر پر لاپروائی کا الزام عائد کیا ہے۔ مار پیٹ میں ایک زیر تربیت ڈاکٹر پریبا مکھرجی کے سر پر گہری چوٹ لگی ہے۔ اسے کولکاتا کے پارک سرکس واقع انسٹی ٹیوٹ آف نیوروسائنس کے آئی سی یو میں داخل کرایا گیا ہے۔ (بحوالہ قومی آواز)

طب و صحت

اچھی طرح ہاتھ دھوئیے، بیماریوں سے محفوظ رہیے

جاسم محمد

عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) نے ہاتھ دھونے کے عمل کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ہر سال ''ہینڈ واشنگ ڈے'' یعنی ہاتھ دھونے کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اچھی طرح ہاتھ دھونے کے عمل سے کئی اقسام کے جراثیم، بیکٹیریا اور وائرس ہم سے دور ہوتے ہیں جو گرد و غبار، جانوروں یا دیگر انسانوں سے ہمارے ہاتھوں تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن ماہرین ان امراض سے بچانے کا بہترین حل یہی بتاتے ہیں کہ ہاتھ دھونے کے معمول کو کسی بھی طرح نظر انداز نہ کیا جائے۔ مثلاً ہاتھ دھونے سے ڈائریا کا خطرہ ۵۸؍فیصد تک کم ہو جاتا ہے۔ لیکن اقوامِ متحدہ کے مطابق صرف ۵؍فیصد افراد ہی ایسے ہیں جو درست طریقے سے ہاتھ دھوتے ہیں۔ اسی لیے ہاتھوں کو درست انداز سے دھونے کی پختہ عادت اپنا کر درج ذیل امراض سے بچا جا سکتا ہے۔

پیٹ کے امراض: نورو وائرس اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اس کا ایک وائرس بھی آنتوں اور معدے کا مرض پیدا کر سکتا ہے۔ اگر صاف پانی سے یا الکحل والے ہینڈ واشر (سینی ٹائزر) سے ہاتھ دھو لیجئے تو اس مرض کا پھیلاؤ ۶۰؍فیصد تک کم ہو جاتا ہے۔

فلو (Flu): بہت چھوٹے اور بہت بزرگ افراد دونوں کے لیے فلو کی وبا جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ صرف ۲۰۱۷ء اور ۲۰۱۸ء میں پوری دنیا میں فلو سے ۸۰؍ہزار اموات ہوئی تھیں کیونکہ یہ تیزی سے پھیلنے والا مرض ہے۔ ہاتھ دھونے سے فلو کے جراثیم دور ہو جاتے ہیں اور یوں آپ اس موذی بلکہ جان لیوا انفکشن سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔

گلابی آنکھ: صبح کے وقت آنکھیں چپکنا اور ان پر پپڑیاں جم جانے کا عمل گلابی آنکھ یا پنک آئی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ انفکشن عموماً بچوں میں ہوتا ہے۔ ہاتھ دھونے اور انہیں صاف رکھنے سے اس مرض سے بچا جا سکتا ہے۔

سالمونیلا وائرس اور امراض: سالمونیلا وائرس آنتوں کے علاوہ بھی دیگر کئی بیماریوں کی وجہ بنتا ہے۔ بچوں کے پیمپرز کی تبدیلی، متاثرہ خوراک اور گلے سڑے پھلوں، کچے گوشت کو دھونے یا ہاتھ لگانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئیں تا کہ سالمونیلا وائرس ختم ہو جائیں۔ اس طرح آپ اس خطرناک وائرس کے حملے سے محفوظ رہ سکیں گے۔

بخار، نقاہت اور مونونیوکلیوسِس: اگر کوئی شخص مونو نیوکلیوسِس کے مرض میں مبتلا ہے تو بخار، دردِ سر، بدن کا درد، نقاہت اور کمزوری اس کی عام علامات ہوں گی۔ اس کا مریض تھوکے، چھینکے یا لعاب گرائے تو دوسرے افراد اس سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے ہاتھ دھونے کا عمل آپ کو اس کے جراثیم سے بچاتا ہے اور یوں آپ مونو نیوکلیوسِس سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

منہ، پیر اور ہاتھوں کے انفکشن: بچوں میں کوکسیکی وائرس سے ان کے ہاتھوں اور پیروں میں تکلیف دہ سوزش ہو جاتی ہے جس کا ازالہ اچھی طرح ہاتھ دھو کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسکولوں میں ایک سے دوسرے بچے میں یہ مرض عام طور پر پھیلتا ہے۔ اس سے بچاؤ کے لیے اپنے بچے کو اچھی طرح ہاتھ دھونا سکھائیں اور اس امر کو لازمی بنائیں۔

حمل کی حفاظت: حاملہ خواتین اگر صفائی ستھرائی میں احتیاط نہ برتیں تو چھالوں اور کھجلی جیسے ایک مرض، ہرپس کی نسل کے جراثیم جسم کے اندر جا کر نا مولود بچے کو رحم میں بھی متاثر کر سکتے ہیں۔ اس کے خطرناک جراثیم بچے کی دماغی صلاحیت، بصارت اور سماعت کو بھی متاثر کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ سائٹو میگلو وائرس ہے جو صابن سے ہاتھ دھونے پر ختم ہو جاتا ہے۔

اسٹاف اور ایم آر ایس اے وائرس: اسٹاف Staph وائرس کی ایک قسم ایم آر ایس اے وائرس ہے جو عام طور پر جلد اور ناک کی رطوبت میں پلتا ہے۔ ایم آر ایس اے اینٹی بایوٹکس کو ناکام بنانے کے لیے عالمی شہرت رکھتا ہے یعنی اس پر دوا اثر نہیں کرتی، اگر یہ جسم کے اندر چلا جائے تو خون، جوڑوں اور قلب کو متاثر کر کے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی علامات میں جلد پر سرخ دھبے اور پھپھولے بن جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ زخموں کو ڈھانپ کر رکھا جائے اور اچھی طرح ہاتھ دھوئے جائیں تا کہ اس مرض سے بچا جا سکے۔

ہیپاٹائٹس اے: ہیپاٹائٹس اے یرقان، کمزوری اور بخار کا شکار بنا کر انسانوں کو طویل عرصے تک بستر سے لگا سکتا ہے۔ ہاتھ دھونے کا عمل ہیپاٹائٹس اے وائرس سے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔

ہفتۂ رفتہ

محمد عادل فریدی

تین طلاق کے خلاف پھر بل پیش کرے گی حکومت

مرکزی حکومت ایک مرتبہ پھر تین طلاق پر روک لگانے کے لئے بل لانے کی تیاری کر رہی ہے۔ بی جے پی کا کہنا ہے کہ یہ ایشو اس کے انتخابی منشور کا حصہ ہے اس لئے تین طلاق پر پابندی کا بل لایا جائے گا۔ اس ایشو پر حکومت لا کمیشن کی رپورٹ پر بھی غور کرے گی۔ مرکزی وزیر قانون روی شنکر پرساد نے کہا ہے کہ تین طلاق کی رسم پر پابندی عائد کرنے کے لئے حکومت پارلیمان میں پھر سے بل لے کر آئے گی۔ گزشتہ مہینے ۱۶؍ویں لوک سبھا کے تحلیل ہونے کے بعد تین طلاق پر پابندی لگانے والے متنازعہ آرڈیننس کی میعاد ختم ہو گئی کیوں کہ یہ پارلیمان سے منظور نہیں ہو پایا اور راجیہ سبھا میں معلق رہ گیا۔ راجیہ سبھا میں پیش کیا گیا معلق بل لوک سبھا کے تحلیل ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہوتا، حالانکہ لوک سبھا سے منظور اور راجیہ سبھا میں معلق بل کی میعاد ضرور ختم ہو جاتی ہے۔ یکساں سول کوڈ کے حوالہ سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ حکومت اس ایشو پر سیاسی غور و خوض کرے گی۔ وہ اس ایشو پر لا کمیشن کی رپورٹ پر بھی غور کرے گی۔ گزشتہ سال ۳۱؍مئی کو لا کمیشن نے اس معاملہ پر مکمل رپورٹ پیش کرنے کے بجائے جاری کئے گئے لیٹر میں کہا تھا کہ اس وقت یکساں سول کوڈ کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی یہ لازمی ہے۔ کمیشن نے شادی، طلاق، نان نفقہ اور خواتین و مرد کی شادی کی عمر سے متعلق قوانین میں تبدیلی کی صلاح دی تھی۔ (سیدھی بات)

طلاق ثلاثہ بل کی مخالفت کرے گی جے ڈی یو

پارلیامنٹ کے بجٹ سیشن میں طلاق ثلاثہ کے تعلق سے مرکزی حکومت بل پیش کرنے کی تیاری میں ہے۔ وہیں این ڈی اے میں شامل جے ڈی یو نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ طلاق ثلاثہ کے معاملہ میں حکومت کے ساتھ نہیں ہے۔ جے ڈی یو کا کہنا ہے کہ طلاق ثلاثہ بل پر ہم حکومت کے ساتھ نہیں ہیں، یہ سماجی مسئلہ ہے اور اس کو سماجی سطح پر حل کیا جانا چاہئے، راجیہ سبھا میں پارٹی اس بل کی حمایت نہیں کرے گی۔ واضح ہو کہ طلاق ثلاثہ بل کے علاوہ آرٹیکل ۳۷۰، کامن سول کوڈ، رام مندر جیسے اہم ایشوز پر جے ڈی یو بی جے پی سے الگ اپنا الگ موقف ظاہر کر چکا ہے۔ (ایجنسی)

بہار سے باہر جے ڈی یو این ڈی اے کا حصہ نہیں

جے ڈی یو کے قومی صدر اور بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار کی صدارت میں ہوئی قومی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں بڑا فیصلہ کیا گیا ہے، اس کے مطابق جے ڈی یو جھارکھنڈ، ہریانہ، جموں و کشمیر اور دہلی میں اپنے دم پر اسمبلی انتخابات میں شریک ہوگا۔ میٹنگ میں طے کیا گیا کہ پارٹی بہار سے باہر اپنی توسیع کرے گی اور بہار سے باہر این ڈی اے کا حصہ نہیں ہوگی، ہاں آئندہ برس ہونے والے بہار کے اسمبلی انتخابات میں وہ بی جے پی کے ساتھ شامل رہ کر انتخاب لڑے گی۔

حکومت کرے گی مدرسوں کی جدید کاری

مرکزی حکومت پورے ملک کے مدرسوں کو مین اسٹریم تعلیم سے جوڑنے کا منصوبہ بنا رہی ہے، وزیر برائے اقلیتی امور حکومت ہند مختار عباس نقوی نے کہا کہ مدرسوں کی جدید کاری کی جائے گی، اور ان کے اساتذہ کو مختلف تربیتی اداروں سے تربیت دلائی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اگلے پانچ سالوں میں حکومت نے پانچ کروڑ اقلیتی طلبہ کو اسکالرشپ فراہم کرنے، اور مقابلہ جاتی امتحانوں کے لیے معاشی طور پر غریب اقلیتی طلبہ کو مفت کوچنگ کی سہولت فراہم کرنے کا بھی منصوبہ بنایا گیا ہے۔ انہوں نے مدرسوں کے نصاب کے تعلق سے کہا کہ مدرسوں میں ہندی، انگریزی، ریاضی، سائنس اور کمپیوٹر کی تعلیم کو لازمی کیا جائے گا۔ (ایجنسی)

والدین کی خدمت نہ کرنے پر ملے گی سزا؛ بہار کابینہ کا فیصلہ

حکومت بہار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ریاست میں رہنے والی اولاد اگر اپنے والدین کی خدمت نہیں کرے گی تو اس کو جیل کی سزا ہو سکتی ہے۔ والدین کی شکایت پر ایسی اولاد کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ حال ہی میں ہوئی کابینہ کی ایک میٹنگ میں اس سے متعلق ایک تجویز کو منظوری دی گئی ہے۔ والدین کی دیکھ بھال نہ کیے جانے سے متعلق شکایتوں کی سنوائی ضلع مجسٹریٹ کریں گے۔ وزیر اعلیٰ نتیش کمار کی صدارت میں ہونے والی کابینہ کی اس میٹنگ میں ۱۵؍تجاویز کو منظوری دی گئی، جس میں کشمیر کے پلوامہ میں دہشت گردانہ حملہ میں مارے گئے بہار کے جوانوں کے ورثاء کو ریاستی حکومت میں نوکری دیے جانے کا فیصلہ شامل ہے، اس کے علاوہ ایسے بزرگوں کے لیے جنہیں کہیں سے پنشن نہیں مل رہی ہے، انہیں پنشن دیے جانے کی تجویز بھی منظور ہوئی، اسکے تحت ۶۰؍سال سے زیادہ عمر کے بزرگوں کو ۴۰۰؍روپئے ماہانہ پنشن دیا جائے گا۔ (ایجنسی)

بہار میں چمکی بخار سے مرنے والے بچوں کی تعداد ۶۳؍ہوئی

بہار میں چمکی بخار (Acute Encephalitis Syndrome) سے اب تک ۶۳؍بچوں کی موت ہو چکی ہے۔ مظفر پور سے سول سرجن ڈاکٹر سیلیش پرساد سنگھ نے بتایا کہ ضلع کے شری کرشنا میڈیکل کالج اسپتال میں اس بیماری کا علاج کرا رہے ۵۲؍اور کیجر یوال اسپتال میں ۱۱؍بچوں کی موت ہو چکی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس بیماری سے متاثر ایس کے ایم سی ایچ میں داخل ۶۸؍بچوں میں نو کی حالت نازک ہے جبکہ کیجر یوال اسپتال میں نو میں سے پانچ بچوں کی حالت نازک بتائی گئی ہے۔ سبھی ضروری اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان دنوں اسپتال میں مختلف اضلاع سے آئے بچوں کا علاج چل رہا ہے۔ سب سے زیادہ متاثرین سیتامڑھی مظفر پور، ویشالی، شیوہر، موتیہاری اور بتیا کے ہیں۔ اس بیماری کی روک تھام اور اس کے تئیں لوگوں کو بیدار کرنے کیلئے دیہی علاقوں میں لاؤڈ اسپیکر کے توسط سے تشہیر کی جا رہی ہے اور گھر گھر جا کر احتیاط برتنے کیلئے پمفلٹ تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی ہر ایک گھر تک او آر ایس کے پیکٹ کی تقسیم بھی کی جا رہی ہے۔ (ایجنسی)

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اس O دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ اب نقیب مندرجہ ذیل سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر آن لائن بھی دستیاب ہے۔

Facebook Page: http//@imaratshariah
Telegram Channel: https://t.me/imaratshariah

اس کے علاوہ امارت شرعیہ کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مزید مفید و دینی معلومات اور امارت شرعیہ سے متعلق تازہ خبریں جاننے کے لئے امارت شرعیہ کے ٹویٹر اکاؤنٹ @imaratshariah کو فالو کریں۔

(مینیجر نقیب)

کتاب سے محبت کرو

محمد عارف اقبال ایڈیٹر، اردو بک ریویو، نئی دھلی

ورلڈ بک ڈے (عالمی یوم کتاب) ہر سال ۲۳ر اپریل کو منایا جاتا ہے۔ گزشتہ کم سے کم دو دہائی سے عالمی دن کا سیلاب سا آیا ہوا ہے۔ ہر کوئی اپنے پسندیدہ عالمی دن پر اپنی خوشیوں کو شیئر کرنا ناگزیر سمجھنے لگا ہے۔ یہ عالمی دن شاید یاددہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو زندگی کے بعض اہم موضوعات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ ایسا لگتا ہے کہ اب تو ہر عالمی دن نوجوان نسل کے لیے ایک دلفریب مزاح کا موضوع بن گیا ہے۔ ایسا شاید اس لیے ہو رہا ہے کہ اب انسانی قدروں اور اخلاقیات کے مضامین ہمارے تعلیمی نصاب سے یکسر خارج کر دیے گئے ہیں۔ انہی عالمی دنوں میں ایک دن کتاب کے لیے مختص ہے۔ ممکن ہے کہ ۶۰۔۷۰ر سال قبل اس دن کو سنجیدگی کے ساتھ منایا جاتا ہو۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ چٹپٹے عالمی دنوں میں عالمی یوم کتاب ایک رسمی دن بن گیا ہے۔ اس دن کے حوالے سے واٹس ایپ پر شاید ہی کوئی پیغام موصول ہوتا ہو۔ یوروپ اور امریکہ میں ممکن ہے کہ عالمی یوم کتاب کو حقیقی خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہو کہ وہاں اب بھی کتابوں سے محبت اور کتاب کے مطالعہ کا رجحان سب سے زیادہ ہے۔ جہاں تک برصغیر کی علمی اور ادبی کیفیت ہے، قصہ ماضی جتنا تابناک ہے، حال اسی قدر ناگفتہ بہ نظر آتا ہے۔ بی بی سی اردو سروس (لندن) کے معروف وممتاز براڈکاسٹر جناب رضا علی عابدی (پ ۳۰ر نومبر ۱۹۳۵ء) ۱۹۹۶ء میں ریٹائرڈ ہوئے لیکن ان کا علمی اور ادبی سفر ہنوز جاری ہے۔ وہ کئی شاہکار کتابوں کے مصنف ہیں، جرنیلی سڑک (۱۹۸۶) اور شیر دریا (۱۹۹۲) کے مصنف رضا علی عابدی کی ایک اہم کتاب ''کتابیں اپنے آبا کی'' ۲۰۱۲ء میں چھپی، یہ وہی رضا علی عابدی ہیں جنھوں نے نایاب کتابوں اور کمیاب کتب خانوں کی کھوج میں سخت اور دشوار گزار سفر کیا۔ چند دن قبل جب ان کا ایک مختصر مضمون کتاب سے محبت کرو پڑھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ اس مضمون کو اپنے قارئین سے شیئر کیا جائے۔ رضا علی عابدی کا یہ مضمون نذر قارئین ہے: ''ابھی کچھ روز ہوئے دنیا نے کتاب کا دن منایا۔ ہم نے ملک تیونس کی ایک تصویر دیکھی، یومِ کتاب کے موقع پر تعلیمی اداروں کے لڑکے لڑکیاں تیونس کی شاہراہ بورقیبہ کے درمیانی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر کتابیں پڑھتے ہیں۔ ذرا تصور کیجیے، یہاں سے وہاں تک، تاحدِ نگاہ جوان لڑکے لڑکیاں کتابیں کھولے بیٹھے ہیں اور انہماک سے سر جھکائے پڑھ رہے ہیں۔ یہ دنیا والوں کے لیے پیغام کا ڈھنگ ہے کہ کتاب سے محبت کرو اور اُس سے بڑھ کر یہ کہ کتاب کا احترام کرو۔ بعد میں ہم نے ٹیلی ویژن پر دیکھا، دنیا بھر میں کتاب کا دن منایا گیا۔ ہمارے معاشرے میں کتاب کو ہمیشہ بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ کتاب سے محبت کی نشانیاں ہم نے اُن لوگوں کے ہاں دیکھیں جو کتاب کو عزیز از جان تصور کرتے ہیں۔ مجھے ملتان کے لطیف الزماں خاں مرحوم ہمیشہ یاد رہیں گے جن کے پاس غالب کے موضوع پر کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ میں خاص طور پر اُن کے گھر گیا اور دیکھا کہ سینکڑوں کتابوں پر کاغذ چڑھا کر بڑے سلیقے سے آراستہ کر رکھا ہے۔ اوپر سے یہ کہ ہر کتاب کا ریکارڈ محفوظ ہے کہ کہاں رکھی ہے اور لمحہ بھر میں کیسے نکالی جائے۔ خود چونکہ نہایت خوش خط تھے، کتابوں کا رجسٹر دیکھنے کے قابل تھا۔

سنا ہے غالبیات پر ویسا ہی ذخیرہ آنجہانی کالی داس گپتا رضا کے پاس بھی تھا۔ وہ چونکہ بمبئی میں تھے، میں وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ میرا تو ایمان ہے کہ کتاب پڑھنا تو خیر دنیا کی بڑی نیکی ہے، کتابوں پر نگاہ کرنا بھی کسی عبادت سے کم نہیں۔ مجھے یہ شرف حاصل رہا ہے کہ کتابوں کی زیارت کے لیے میں نے دور دور کے سفر کیے اور نہ پوچھیے کیا کیا دیکھا۔ میرے بڑے دورے کا مرکزی خیال ہی یہ تھا کہ دیکھیں بزرگوں کی چھوڑی ہوئی کتابیں کہاں اور کس حال میں ہیں۔ کہیں تو یوں رکھی تھیں کہ جیسے پلکوں سے جھاڑ پونچھ کر سجائی گئی ہوں، کہیں کتابیں نڈھال پڑی تھیں، کہیں دیواروں پر دیمک نے آمدورفت کے رستے تراشے ہوئے تھے، کہیں معلوم ہوا کہ چند روز پہلے تک بڑا ذخیرہ رکھا تھا لیکن مقدس جان کر اُنہیں دریا میں بہا دیا گیا۔ ایک جگہ کسی نے کتابوں کا ذخیرہ پلاسٹک کے تھیلوں میں باندھ کر کنوئیں میں ڈال دیا تھا، جھنڈیر لائبریری والوں نے کنوئیں میں اُتر کر نکالیں تو اُن میں ایک سے ایک نادر اور نایاب کتابیں تھیں جو شکر ہے کہ اب محفوظ ہیں۔ میں نے کتابوں کے کتنے ہی ذخیروں کا نوحہ سنا جو محفوظ تھے مگر آگ کی نذر ہو گئے اور پانی اور سیلاب میں تباہ ہونے والے کتنے ہی ذخیروں کے مزار تو میری یہ آنکھیں دیکھ چکی ہیں اور میری ہتھیلیاں کتنے ہی آنسو جذب کر چکی ہیں۔ اگلے وقتوں کے لوگ بڑے پیارے اور بھولے تھے۔ اُس وقت اُن پر ٹوٹ کے پیار آتا ہے جب پرانی کتابوں پر لکھا دیکھتا ہوں جس کتاب پر مصنف کے دستخط نہ ہوں اُسے جعلی تصور کیا جائے اور بزرگوں کی اِس ادا پر تو صدقے واری جانے کو جی چاہتا ہے جب قدیم کتابوں پر لکھا ہوتا ہے اے دیمک کے بادشاہ، تجھے نہ جانے کس کی قسم کہ اِس کتاب کو اپنی خوراک نہ بنانا۔ کیسے زمانے تھے جب امرا اور رؤسا دور دراز کے سفر پر نکلتے تھے تو اُن کی کتابوں کا ذخیرہ ساتھ چلا کرتا تھا۔ جس زمانے میں ہندوستان کے نواب، راجا اور مہاراجا اپنے کتب خانے پر ناز کیا کرتے تھے اور چونکہ دولت بہت تھی، دنیا بھر کی نادر اور نایاب کتابیں کھنچی کھنچی ہندوستان چلی آتی تھیں۔ تاتاریوں نے جو لاکھوں کتابیں دریا میں پھینکی تھیں، اُن میں سے بچائی جانے والی کچھ کتابیں پٹنہ کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اِسی طرح ہسپانیہ میں عربوں کے دیس نکالا کے بعد عظیم الشان کتابوں کے جو الاؤ جلائے گئے تھے، اُن میں ادھ جلی کتابیں رامپور تک آ گئی تھیں۔ بھوپال تو علم کا گہوارہ تھا، وہاں کے شاہی محل میں نہ جانے کتنی کتابیں آج تک رکھی ہیں، پتا نہیں سلامت ہیں یا نہیں۔ حیدرآباد دکن کے محل میں تو نایاب کتابوں سے بھری الماریاں رکھے رکھے خاک ہو گئیں۔ اب کوئی کہاں تک ماتم کرے اور کتنے آنسو بہائے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہم سب کی طرح کتابوں کے بھی مقدر ہوتے ہیں۔ اُن کے حق میں بھی دعا کی جا سکتی ہے۔ آپ کو ہو نہ ہو، مجھے یقین ہے، کتاب بھی دھیمے لہجے میں سہی، قدر کرنے والوں کو دعا ضرور دیتی ہے اور دعا بھی کسی درویش جیسی۔''

بقیہ اصحاب صفہ...... اس سوال کا جواب بالکل صاف ہے کہ اسلام کے عروج کے دور میں انہی علماء میں سے حسب اہلیت علماء خلافت، حکومت، احتساب، قضاء، افتاء، خطابت، تبلیغ دین، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وغیرہ وغیرہ مناصب پر فائز تھے، جب کہ علوم اسلامیہ میں دین ودنیا کی تفریق نہ تھی اور ''رجال دین'' و''رجال دنیا'' کے درمیان کچھ زیادہ وسیع خلیج حائل نہ تھی اور نہ کوئی بنیادی تفاوت موجود تھا۔ دنیا کے تمام کام دین کی تعلیمات کی روشنی میں انجام پاتے تھے، لیکن اس دور میں بھی اگر مسلمان اپنے دین اسلام سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق نہ بنیں تو ان کے بچوں کے لیے تعلیم قرآن، ان کی مساجد کے لیے امام وخطیب ومؤذن، شب وروز کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں شرعی احکام بتلانے کے لیے مفتیان کرام اور علوم دینیہ (قرآن وحدیث وفقہ) کی حفاظت کے لیے معاہدِ دینیہ ومدارس اسلامیہ میں تدریس کے مناصب تو اب بھی موجود ہیں، پھر علماء کی فکر معاش کا بہانہ بنا کر کیوں مدارس دینیہ کی مخالفت کی جاتی ہے؟ اگر مسلمان اس امر کا عہد کر لیں کہ ہر مسجد کا امام وخطیب باقاعدہ مستند عالم ہوگا تو پورے ملک کے مدارس کے طلبہ وعلماء کی تعداد اس ایک ہی دینی ضرورت کو بمشکل پورا کر پائے گی۔ درسِ قرآن وتعلیم اطفال وتعلیم قرآن (حفظ وناظرہ) نیز تدریسِ علوم دینیہ وافتاء یعنی مدرسین ومفتیان مدارسِ اسلامیہ کی ضرورت اس کے علاوہ رہے گی۔ آخر اس مروجہ دنیوی (عصری) تعلیم کا مقصد یہی تو ہے کہ پیٹ کی پرورش ہو سکے اور حکومت کا دفتری نظام چل سکے، لیکن جس کثرت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کا ہیضہ ملک میں پھیل رہا ہے، کیا اس کی نسبت سے سرکاری عہدے اور منصب اتنے ہیں کہ سب کو جگہ دی جا سکے؟ پھر اس تعلیم کی اتنی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی جتنی علوم دینیہ اور علماء دین کی کی جا رہی ہے؟ درحقیقت مسئلہ صرف دینی علماء وطلبہ کی معاش کا نہیں ہے، بلکہ دنیوی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کی معاش کا مسئلہ اس سے بدرجہا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جو افراد اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی حفاظت کر رہے ہیں اور امت محمدیہ کے لیے راہِ سعادت ونجات کو محفوظ کر رہے ہیں ان کو تو بیکار اور عضو معطل سمجھا جا رہا ہے اور جن افراد کا معاشرہ میں صرف یہی مقام ہے کہ اپنے پیٹ بھرنے کی فکر کریں اور حکومت کی مشنری کو چلائیں ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ **فیاللعجب ویا للأسف!** دراصل اگر یہ علماءِ دین کی معاش کا مسئلہ کوئی مشکل ہے اور اس مشکل کو حل کرنا ضروری ہے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ میٹرک تک کی تعلیم دینی اور دنیوی کو مشترک رکھا جائے، بلکہ میٹرک تک کی تعلیم کی بنیاد دینی تعلیم پر ہو اور عربی زبان کی تعلیم وتدریس لازمی وضروری ہو، تاکہ ایک میٹرک پاس طالب علم بھی بقدرِ ضرورت دونوں شعبوں کی خدمات انجام دے سکے۔ درحقیقت یہ مشکل ہمارے غلط نظام تعلیم نے بلکہ برطانوی عہد کے ملعون طریقۂ تعلیم نے پیدا کی ہے اور شومیٔ قسمت سے آج تک اسی نقش قدم پر ہم چل رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس معاملہ میں اگر قصور ہے تو صرف جدید نظام تعلیم کا ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم سے لے کر میٹرک تک کی تعلیم میں علم دین کا وافر حصہ شامل کر لیا جائے، بلکہ زیادہ تر توجہ تعلیم دین پر ہی مرکوز ہو اور جدید حصہ پر توجہ ثانوی درجہ میں تو رجالِ دین اور رجالِ دنیا کی تفریق خود بخود ختم ہو جائے گی، جس نے مسلمانوں کے معاشرے پر بہت برا اثر ڈالا ہوا ہے اور تکلیف دہ خلیج حائل ہو گئی ہے، **أللّٰهم اهد قومي فإنهم لايعلمون۔**

بقیہ اسلامو فوبیا کا بڑھتا ہوا رجحان - اسباب و تدارک...... خدمتِ خلق کی طرف توجہ: اسلاموفوبیا کے بڑھتے ہوئے رجحان کے سدباب کے لیے عالمی سطح پر خدمتِ خلق کو فروغ دینا بھی ازحد ضروری ہے، مخلوق کی خدمت کرنا اور ان کی راحت رسانی کے لیے کوشاں رہنا دین کا ایک اہم شعبہ ہے، اور اس کی خود اسلام نے ترغیب دی ہے، اور پریشان حال لوگوں کی مدد کرنے کو بڑے اجر وثواب کا عمل قرار دیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک امتیازی وصف خدمتِ خلق تھا، پریشان حال لوگون کی مدد کرنا اور بے کسوں کے کام آنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک روشن باب تھا، جب پہلی مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی اور آپ گھبرا کر اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں تسلی دی: ''کلا واللہ إنک لتصل الرحم، وتحمل الکل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (الحدیث) ہرگز نہیں اللہ کی قسم! یقیناً آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، اور ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ہم مسلمانوں کی مذہبی ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مٹی ہوئی سنت کا احیاء کریں، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کریں، پریشان حال لوگوں کی خبرگیری کریں، غم زدہ اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آئیں اور بلاتفریق مذہب وملت یہ عمل انجام دیں۔

اصلاح عمل کی طرف توجہ: اسلام دشمنی کی مخالف لہر کو روکنے کے لیے ہم مسلمانوں کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، حسنات اور نیکیوں کی شمع اپنے دلوں میں فروزاں کریں، سیئات اور گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کریں، معاشرتی زندگی مثلا: نکاح، طلاق، خلع وجہیز میں جو افراط اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے اس کو دور کرنے کی خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسی طرح اخلاقی سطح پر جو مسلم سماج میں گراوٹ آئی ہے، جھوٹ، دھوکہ، خیانت، چوری، وعدہ خلافی جیسے سنگین گناہ جو آج ہماری پہچان بن چکے ہیں، اور ان اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسلمان بدنام ہیں، ضرورت ہے کہ ہم ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں، اور اپنے اندر صالح اور خوش گوار انقلاب لانے کا عزم مصمم کریں۔

میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر کنٹرول: میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی طاقت وقوت سے آج کون انکار کر سکتا ہے؟ اس پلیٹ فارم سے رائے عامہ کو ہموار کیا جاتا ہے، افکار ونظریات کا زاویہ تبدیل کیا جاتا ہے، انقلاب اور تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے، بدقسمتی سے آج اس پر صہیونی طاقتوں کا غلبہ ہے، جن کے رگ وریشہ میں اسلام دشمنی داخل ہے، چناں چہ وہ اس اہم اور موثر پلیٹ فارم سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہیں اور اسلام احکام کی توہین وتنقیص کرتے ہیں اور غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں سے عداوت ودشمنی کا بیج بوتے ہیں، ایسے حالات میں سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ مسلمان میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے سرچشمہ پر کنٹرول کریں اور اسلام کی صحیح اور درست ترجمانی کے لیے اس کے استعمال کو یقینی بنائیں، غیر مسلموں کے اشکالات کا معروضی اور مثبت انداز میں جواب دیں، مذہب اسلام کی معنویت اور اس کی اہمیت کو اچھے انداز میں پیش کریں۔ اس سے بھی ان شاء اللہ اچھے اور مفید اثرات مرتب ہوں گے اور اسلاموفوبیا کے بڑھتے ہوئے سیل بلاخیز پر بند باندھنے میں یہ مدد ومعاون ثابت ہوگا۔

ملی سرگرمیاں

محمد عادل فریدی

پری میڈیکل ٹیسٹ میں رحمانی تھرٹی کی شاندار کامیابی

رحمانی پروگرام آف اکسلنس (رحمانی تھرٹی) کے طلبہ وطالبات نے انجینئر نگ کی طرح آل انڈیا پری میڈیکل ٹیسٹ میں بھی نمایاں اور شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ رحمانی 30 کے کل 98 طلبہ وطالبات نے آل انڈیا پری میڈیکل ٹیسٹ میں کامیابی حاصل کی ہے۔ جن میں سے 600 سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کی تعداد 12، جب کہ 550 پلس کی تعداد 16 اور 500 پلس کی تعداد بھی 16 ہے۔ جہاں تک رینک کی بات ہے تو آل انڈیا جنرل رینکنگ میں 1143 رینک تک رحمانی 30 کے اسٹوڈینٹ پہنچے ہیں۔ واضح رہے کہ رحمانی 30 آج سے 11 سال قبل مفکر اسلام مولانا محمد ولی صاحب رحمانی امیر شریعت بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی کاوشوں سے قائم کیا گیا۔ حضرت امیر شریعت کی خواہش یہ ہے کہ مسلم طلبہ وطالبات جو عصری علوم میں برادرانِ وطن سے بہت زیادہ پیچھے ہیں، انھیں اعلیٰ عصری علوم کے مقابلہ جاتی امتحانات میں کامیاب کرواکر اُن کو مین اسٹریم سے جوڑا جائے۔ مولانا کی اسی کاوش اور لگن کی وجہ سے آج رحمانی 30 کے ماتحت طلبہ وطالبات نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہے۔ بالخصوص وہ مسلم طلبہ وطالبات سرکاری طور پر ہائر ایجوکیشن میں جن کی تعداد محض 5 فیصد ہے اور آئی آئی ٹی۔ جے ای ای، میڈیکل جیسے مقابلہ جاتی امتحانات میں تو اِن کی کامیابی کا تناسب غیر مصدقہ ذرائع کے مطابق محض ایک سے دو فیصد ہے۔ مولانا رحمانی ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے کہ مسلم طلبہ طالبات اب اِن جیسے اعلیٰ مقابلہ جاتی امتحانات میں بھی اپنا لوہا منوار ہے ہیں۔ جو کہ یقیناً مسلم قوم کے لیے ایک خوش آئند پیغام اور مولانا محمد ولی صاحب رحمانی کی خاموش مگر کامیاب ترین قیادت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (پریس ریلیز)

امارت شرعیہ کے تکنیکی تعلیمی اداروں میں داخلے کا سلسلہ جاری: محمد شبلی القاسمی

جناب مولانا محمد شبلی القاسمی قائم مقام ناظم امارت شرعیہ نے اپنے ایک اخباری بیان میں امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر ٹرسٹ کے تحت چل رہے اداروں کے مختلف پروفیشنل اور ووکیشنل کورسوں میں جدید داخلے کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ امارت شرعیہ قوم کا عظیم سرمایہ اور ملت اسلامیہ ہند کیلئے باعثِ افتخار ادارہ ہے جسکی سو سالہ عظیم خدمات ہیں، امارت شرعیہ اوران کے اکابرین نے ابتدا سے تاہنوز ہر دور میں ملکی سطح پر مسلمانوں کی مضبوط رہنمائی فرمائی ہے۔ اور اپنی وسیع فکر اور کامیاب منصوبہ بندی کے ساتھ ہمہ جہت خدمات انجام دی ہے۔

اس وقت امارت شرعیہ کے روح رواں مفکرِ اسلام پیر طریقت حضرت محمد مولانا سید ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ جو امیر شریعت کی حیثیت سے امارت شرعیہ کی خدمات اور اس کے شعبہ جات کی توسیع واستحکام میں شب وروز مصروف ہیں، تعلیم کے شعبہ پر حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم نے خصوصی توجہ دی ہے، دینی اور تعلیمی اداروں کو جہاں آپ نے ترقی دی ہے، وہیں اپنی حکمت عملی اور عمیق فکر کے ساتھ امارت شرعیہ کے عصری اور جدید تعلیمی اداروں کو فروغ دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے، جس طرح آپ نے رحمانی تھرٹی کے ذریعہ ملکی سطح پر نئی نسلوں کیلئے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں، اسی طرح بہار، اڈیشہ اور جھارکھنڈ کی سطح پر امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے ملت کے نونہالوں کو کامیاب بنانے کیلئے زبردست منصوبہ بندی فرمائی ہے مختلف اضلاع میں امارت پبلک اسکول کے علاوہ اس وقت حضرت کی صدارت ونگرانی میں امارت شرعیہ کے مختلف اضلاع میں متعدد تکنیکی اور عصری تعلیمی ادارے چل رہے ہیں جہاں ہزاروں نوجوان تعلیم پاکر اپنا مستقبل روشن کررہے ہیں۔

پورے بہار میں امارت شرعیہ کے تکنیکی ادارے خاص مقام رکھتے ہیں بہار کے طلبہ اپنی اپنی یونیورسیٹوں میں ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے آئے ہیں اور فراغت کے بعد ملک اور بیرون میں اپنی خدمات کے ذریعہ ادارہ کا نام روشن کررہے ہیں۔ پھلواری شریف پٹنہ میں بھی تکنیکی تعلیم کے کئی بڑے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کام کررہے ہیں۔

جس میں مولانا منت اللہ رحمانی پارا میڈیکل انسی ٹیوٹ، مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ایف سی آئی روڈ، ڈاکٹر عثمان غنی گرلس کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ ہارون نگر، امارت انسٹی ٹیوٹ آف کمپوٹر اینڈ الیکٹرانکس ہیں۔ ان تمام اداروں میں مختلف اہم ترین کورسیز کی تعلیم دی جاتی ہے؛ ان میں بی پی ٹی (بیچلر آف فیزیوتھیراپی)، بی ایم ایل ٹی (بیچلر آف میڈیکل لیب ٹیکنالوجی)، ڈی ایم ایل ٹی (ڈپلوما ان میڈیکل لیب ٹیکنالوجی)، ڈپلوما ان ایکسرے ٹکنیشین، ڈی پی ٹی (ڈپلوما ان فیزیوتھیراپی)، بی سی اے (بیچلر آف کمپیوٹر اپلیکیشن)، بی بی اے (بیچلر آف بزنس ایڈمنسٹریشن)، بی لیس (بیچلر آف لائبریری انفارمیشن سائنس)، بی جے ایم سی (بیچلر آف جنرلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن)۔ پری ڈول، اور آئی ٹی آئی کے مختلف ٹریڈس؛ الیکٹرانکس، فیٹر، ایم آر اے سی، ڈی ایم (سول) الیکٹرانکس اینڈ کینکل میں داخلے کا سلسلہ جاری ہے، خواہش مند طلبہ جلد فارم بھر کر داخلہ کی کاروائی مکمل کرلیں۔

المعہد العالی امارت شرعیہ میں داخلہ امتحان ۱۲؍تا ۱۴؍شوال

جناب مولانا محمد شبلی القاسمی قائم مقام ناظم امارت شرعیہ نے پریس کے لئے جاری بیان میں کہا کہ مفکر اسلام حضرت امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کی صدارت میں ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء امارت شرعیہ'' کے نام سے ایک اعلی تعلیمی ادارہ قائم ہے، حضرت امیر شریعت کی ہدایت اور مشورہ سے جناب مولانا عبدالباسط ندوی صاحب بحیثیت سکریٹری اس ادارہ کو ترقی دینے میں شب وروز مصروف ہیں، تربیت قضاء وافتاء کے اس شعبہ میں ایسے باصلاحیت فضلاء کو تربیت دی جاتی ہے جن کو فقہ اسلامی سے مناسبت ہو، تاکہ وہ کتاب وسنت، فقہ اور مصادر فقہ پر گہری نظر کے ساتھ احوال وعرف زمانہ سے آشنا ہو کر عصر حاضر کے درپیش چیلنجز کا سامنا کرنے کے اہل ہوسکیں اوران کے اندر ملک میں قانون شریعت کے تحفظ اور عائلی نزاعات کے حل کے لئے قائم ہونے والے دارالقضاء ودارالافتاء کی ذمہ داریاں نبھانے کی صلاحیت پیدا ہوسکے۔ المعہد العالی کا نصاب دوسالہ ہے، جس میں فقہ القرآن، فقہ الحدیث، مقاصد شرع، فقہ، اصول فقہ، قواعد فقہ، اصول افتاء اور فرائض کے علاوہ مسلم پرسنل لاء کے ابواب پر خصوصی نظر اور قضاء وافتاء کی خصوصی تربیت اور عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ بقدر ضرورت انگریزی، ہندی اور کمپیوٹر کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ طلبہ کے قیام وطعام کا نظم معہد کی طرف سے ہے۔ اس کے علاوہ سال اول کے طلبہ کو -/600 روپئے اور سال دوم کے طلبہ کو -/800 روپئے ماہانہ بطور وظیفہ دیئے جاتے ہیں۔ امسال داخلہ کے لئے تقریری امتحان مورخہ ۱۲ شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶ جون ۲۰۱۹ء روز اتوار سے شروع ہوگا اور ۱۴؍شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸؍جون ۲۰۱۹ء روز منگل تحریری امتحان ہوگا۔ جو طلبہ قضاء وافتاء میں داخلہ کی خواہش رکھتے ہوں، وہ درخواست کے ساتھ عالمیت یا فضیلت کے نتائج امتحان کی مصدقہ کاپی کے ساتھ امتحان میں شریک ہوسکتے ہیں، اسی طرح اس ادارہ میں معہد الدعوۃ کے نام سے ایک شعبہ داعیوں کی تربیت کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس کا نصاب ایک سالہ ہے، اوراس میں ایسے فضلاء کا داخلہ لیا جاتا ہے، جن کے اندر داعیانہ فکر وجذبہ موجود ہو اور جو زمانہ کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اندر ایسی صلاحیت اور صالحیت پیدا کرسکیں، جس کے ذریعہ دعوت کے کام کو مؤثر انداز میں انجام دیا جاسکے، اس کے نصاب میں انگریزی و ہندی کے ساتھ سنسکرت بھی شامل ہے، جبکہ عالمی، ہندوستانی اور دنیا کے دیگر مذاہب سے واقفیت کرانے کے علاوہ کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت کے اصول وطریقہ کار، جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ اس شعبہ میں بھی قیام وطعام کے علاوہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اس شعبہ میں داخلہ کے لئے مورخہ ۱۵/ شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۹/ جون ۲۰۱۹ء روز بدھ کو امتحان ہوگا۔

امارت شرعیہ میں اجلاس یوم تاسیس ۲۳؍جون کو

ناظم امارت شرعیہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نے اپنے ایک اخباری بیان میں یوم تاسیس امارت شرعیہ کے موقع پر مرکزی دفتر امارت شرعیہ میں اجلاس یوم تاسیس کے انعقاد کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ ہماری ملی زندگی کی روشن علامت اور اجتماعی زندگی کی عملی شکل ہے۔ ۱۹؍شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۱؍جون ۱۹۲۱ء کو اس کا قیام عمل میں آیا۔ ہجری تقویم کے اعتبار سے اس کے قیام کو ایک صدی سے زیادہ کا وقت گذر چکا ہے۔ اس وقت سے آج تک اس نے ہر نازک موقع پر قوم وملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یوم تاسیس کے موقع پر امارت شرعیہ میں ہر سال اجلاس کے انعقاد کی روایت رہی ہے، تاکہ امارت شرعیہ کے قیام کے مقصد اوراس کے پیغام کی یاد تازہ ہوتی رہے اور عوام کو خواص کو امارت شرعیہ کی خدمات سے واقفیت حاصل ہو۔

اس سال بھی یوم تاسیس کی مناسبت سے **۱۹؍شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۳؍جون ۲۰۱۹ء روز اتوار کو بوقت ۱۰؍بجے دن بمقام کانفرنس ہال مرکزی دفتر امارت شرعیہ** پھلواری شریف پٹنہ ایک اہم اجلاس زیر صدارت امیر شریعت مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم منعقد ہوگا۔ اس موقع پر دیگر ممتاز علماء کرام و دانشوران کا بھی مذکورہ عنوان پر خطاب ہوگا اور امارت شرعیہ کے پیغام اور خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ناظم صاحب نے بتایا کہ دعوت نامے ارسال کیے جارہے ہیں اور اجلاس کی تیاری چل رہی ہے، انہوں نے عوام و خواص سے اپیل کی ہے کہ اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر ضرور تشریف لائیں اور اپنی ملی بیداری کا ثبوت دیں۔ ساتھ ہی ناظم صاحب موصوف نے یہ بھی بتایا کہ امارت شرعیہ کی مجلس عاملہ کا سالانہ اجلاس اجلاس تاسیس کے اگلے دن سوموار مورخہ ۲۴؍جون کو میٹنگ روم امارت شرعیہ میں صبح دس بجے سے ہوگا، ارکان و مدعوئین کی خدمت میں دعوت نامہ اور ایجنڈا بھیجا جاچکا ہے اور اجلاس کی تیاری کی جارہی ہے۔

بہار کے عازمین حج کا پہلا قافلہ ۴؍جولائی کو روانہ ہوگا، کولکاتا سے پہلی فلائٹ ۲۵؍جولائی کو

بہار سے حج بیت اللہ کے سفر پر روانہ ہونے والے عازمین حج کی گیا ایرپورٹ سے پہلی پرواز ۴؍جولائی کو ہوگی جو ۱۴؍جولائی تک جاری رہے گی۔ بہار کے عازمین حج اس بار گیا امبارکیشن پوائنٹ کے ساتھ کولکاتا سے بھی سفر حج کے لیے پرواز کریں گے، کولکاتا سے عازمین حج کی پہلی پرواز ۲۵؍جولائی کو ہوگی جو ۵؍اگست تک جاری رہے گی، گیا سے سفر حج پر جانے والے عازمین کی کل تعداد ۳۵۴۲؍ہے جب کہ کولکاتا سے جانے والے بہار کے عازمین حج کی تعداد ۱۴۰۸؍ہے، اس طرح بہار سے اس سال ۴۹۵۰؍افراد حج کے لیے جائیں گے، جن میں سے خواتین کی تعداد ۲۰۵۳؍اور مردوں کی تعداد ۲۸۹۵؍ہے۔ ۴؍جولائی کی پرواز سے قبل ۳؍جولائی کو عازمین حج کے اعزاز میں بعد نماز مغرب حج بھون میں دعائیہ نشست کا اہتمام کیا جائے گا جس میں وزیر اعلیٰ بہار جناب نتیش کمار کی شرکت ہوگی۔ حج کمیٹی کے سی ای او نے بتایا کہ دعائیہ نشستیں ۱۴؍جولائی کی آخری پرواز تک روزانہ ہوا کریں گی۔ اس موقع سے حج بھون کے احاطہ میں شامیانہ، پروجیکٹر، سی سی ٹی وی کیمرے، فائر بریگیڈ، ایمبولینس سمیت ۲۴؍گھنٹے میڈیکل کیمپ، مجسٹریٹ اور پولیس دستوں کے تعیناتی، خواتین پولیس کی تعیناتی اور پٹنہ میونسپل کارپوریشن کے ذریعہ ۲۴؍گھنٹے صفائی جیسے انتظامات کیے جائیں گے۔ مردوں اور خواتین پر مشتمل رضا کاروں کی ٹیم بھی مستقل عازمین وعازمات کی خدمت میں لگی رہے گی۔ ۴؍جولائی سے گیا ایرپورٹ سے مدینہ کے لیے براہ راست روزانہ دو پروازیں ہوں گی، ہر جہاز میں ۱۵۰؍افراد کی گنجائش ہوگی۔ حج بیت اللہ سے حاجیوں کی واپسی ۱۷؍اگست سے شروع ہوگی اور آخری جہاز ۲۸؍اگست کو آئے گا۔ واضح ہو کہ اس بار گرین کیٹگری سے سفر کرنے والے عازمین کو کل ۳؍لاکھ ۱۸؍ہزار ۸۵۰؍روپئے ادا کرنے ہوں گے جب کہ عزیزیہ کیٹگری میں سفر کرنے والے عازمین کو ۲؍لاکھ ۸۱؍ہزار ۸۰۰؍روپئے دینے ہوں گے۔

Volume:57/67,Issue:23 Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

کسے حرفِ حق سناؤں، کہ یہاں تو اس کو سننا
نہ خواص چاہتے ہیں، نہ عوام چاہتے ہیں
(ابوالمجاہد زاہد)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT-E-SHARIAH
BIHAR ORISSA JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-18-20
R.N.I.N.Delhi,Regd No-4136/61

ادب اطفال: مسائل و چیلنجز اور ان کا حل

مولانا ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی ریسرچ اسکالر جے این یو، نئی دہلی

بڑوں کے ادب کی طرح بچوں کا ادب بھی محض تفریحِ طبع کے لیے نہیں ہوتا۔ ادب نہ تو محض نصیحت کا نام ہے اور نہ ہی تفنن طبع کا۔ ''ادب برائے ادب نہیں، ادب برائے زندگی ہے'' کا جو نعرہ بلند ہوا تھا، اس کا بھی راست مطلب یہی ہے کہ ادب مقصدی ہوتا ہے، غیر مقصدی نہیں۔ اسلامی ادب تو اول روز سے ادب کے با مقصد ہونے کا نظریہ رکھتا ہے۔ قرآن خود کہتا ہے کہ کوئی بھی شئی بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ نبی رحمت نے زمانۂ جاہلیت کی فضول قصہ گوئی پر نکیر کی تھی بلکہ مقصدی چیزوں میں اگر بے مقصدیت داخل ہو جائے تو اسلام اسے بھی لہو و لعب کے زمرے میں رکھتا ہے یہاں تک کہ اسلام تو بے فائدہ بات چیت سے بھی گریز کا درس دیتا ہے۔ اسلام میں جب مقصدیت پر اتنا زور ہے تو اس کے نزدیک ادب بے مقصد کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ادب انسان کے لیے ایک دوا اور ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک با شعور اور سمجھدار انسان اپنے فہم و شعور سے اپنے نفع و نقصان کو سمجھتے ہوئے دوا کا استعمال کرتا ہے اور بچے چوں کہ ان چیزوں کا شعور نہیں رکھتے اس لیے بچوں کو پچکار کر دوا پلانی پڑتی ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی دودھ پلانے کے لیے بھی اس کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔

اسلام میں بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا ایک لمبا پروسیس ہے جو اس کے رحمِ مادر میں قرار پانے سے قبل ہی شروع ہو جاتا ہے لیکن جب بچے کی پیدائش ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے اس نوزائدہ کے کانوں کو اس کے رب اور خالق کے نام سے آشنا کرایا جاتا ہے اور اس کی تحنیک کرائی جاتی ہے۔ اسلام میں یہ کسی بھی بچے کی بدنی اور روحانی غذا کی پہلی خوراک ہوتی ہے۔ بچوں پر ماحول کس قدر اثر انداز ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت اس حدیث میں کی گئی ہے کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن گرد و پیش اور والدین کی صحبت کے زیر اثر اس کے سوچنے کا انداز اور بود و باش کے طریقے متعین ہوتے ہیں۔

ادبِ اطفال کو درپیش مسائل پر گفتگو سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بچوں کا ادب کسے کہتے ہیں؟ وہ ادب جس میں بچوں کے مسائل کو اٹھایا جائے یا وہ ادب جسے خود بچے خلق کریں یا پھر کوئی بھی ایسی تحریر جس میں بچوں کا ذکر ہو؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ بچوں کی اخلاقی تربیت پر مشتمل تحریروں کو ادب اطفال کہا جائے گا اور کچھ حضرات کا کہنا یہ ہے کہ بچوں کی تفریح طبع کی غرض سے جو چیز بھی لکھی جائے گی وہ ادب اطفال کے زمرے میں آئے گا۔ میری ناقص رائے میں ان میں سے کسی پوئنٹ پر ادب اطفال کا انطباق مشکل ہے۔ بقول حافظ کرناٹکی ''بچے جس کتاب کو قبول کر لیں اور پڑھنا چاہیں چاہے اس کا موضوع کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ بچوں کے ادب میں شامل کی جائے گی''۔ میرے خیال سے بچوں کے موڈ و مزاج اور نفسیات کے پیشِ نظر آسان زبان و بیان اور دلچسپ انداز میں ایک ایسی تحریر کا نام ادب اطفال ہے جس میں تفریحِ طبع کا سامان بھی ہو، معلومات کی روشنی بھی ہو اور اخلاقیات کی خوشبو بھی۔ اب ادبا پر یہ بات منحصر ہے کہ وہ ان چیزوں کی کتنی رعایت کرتے ہیں اور کون سا مسالہ کتنی مقدار میں ڈالتے ہیں؟

بچوں کے ادب میں براہ راست درس و نصیحت کی بات کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے کہ بچوں کو صحت مند بنانے کے لیے اسے گھٹی اور ٹانک تو ضرور پلانا پڑتا ہے لیکن اس احساس کے بغیر کہ یہ ٹانک ہے۔ یعنی سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔

ان تفصیلات کے بعد اب ادب اطفال کو درپیش ان مسائل کا ذکر ضروری ہے جو دراصل گفتگو کا موضوع ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ رکاوٹیں تو سرکار کی طرف سے ہیں اور کچھ بلکہ اکثر کے ذمہ دار خود اردو معاشرہ اور بچوں کے والدین ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ آج ادب اور ادب اطفال کا مسئلہ پیچھے جا چکا ہے اور اردو زبان ہی نرغے میں ہے۔ اردو زبان خود اردو دانوں کے گھر سے رخصت ہو رہی ہے۔ وہ والدین جن کی تعلیم، تدریس اور روزی تک کا انحصار اردو پر ہے وہ بھی احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اپنے بچوں کو اردو پڑھانے سے گریز کر رہے ہیں۔

ادب اطفال کے مسائل کا احاطہ کیا جائے تو اس کے بنیادی تین نکات سامنے آتے ہیں۔ بچوں کا ادب کہاں سے آ رہا ہے؟ کیسا آ رہا ہے؟ اور کہاں تک پہنچ رہا ہے؟ اردو زبان کے استعمال میں گراوٹ بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس سے قطع نظر اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آج بچوں کا ادب کون لکھ رہا ہے؟ کیا لکھ رہا ہے؟ اور کیسے لکھ رہا ہے؟ ادب اطفال کے ہمارے قدیم ذخیرے میں بے شمار ایسے نام مل جاتے ہیں جو بیک وقت ادیب و شاعر ہوتے تھے اور تنقیدی نظر بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے نکلے ادبی شہ پارے بچوں کے دلوں میں پیوست ہو جاتے تھے اور بچوں کے ذہنی ارتقا کے ضامن بھی لیکن آج یا تو مجبوری میں بچوں کا ادب لکھا جا رہا ہے یا بے توجہی سے لکھا جا رہا ہے یا پھر بطور فیشن بچوں کا ادب تیار ہو رہا ہے۔ اہل لکھنے والوں کو ضرورت نہیں، جسے لکھنا آتا ہے وہ لکھتا نہیں اور بیشتر وہ لکھ رہے ہیں جنھیں ادب اطفال کے رموز سے واقفیت نہیں۔ بآسانی انگلیوں پہ شمار کیے جانے والے چند نام ایسے ضرور مل جاتے ہیں جو محنت سے لکھ رہے ہیں لیکن بچوں تک اس کی رسائی ایک مشکل امر بنی ہوئی ہے۔ بچوں کے رسائل میں ڈھونڈے سے ہی کوئی ایک آدھ مضمون ایسا مل پاتا ہے جو صحیح معنوں میں ادب اطفال پر منطبق ہوتا ہو ورنہ بیشتر کہانیاں اور مضامین ایسے ہوتے ہیں جن کی زبان اور اسلوب دور دور تک بچوں کے ذہن و مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ بچوں کے ادب خلق کرنے والے اکثر ادبا کے ذہن اس فرق سے خالی ہوتے ہیں کہ کس عمر کے بچوں کے لیے کون سا اسلوب مناسب ہے؟ پہلا زمرہ چھ سال، دوسرا زمرہ چھ سے دس سال اور تیسرے زمرے میں دس سے چودہ سال کی عمر کے بچے آتے ہیں۔ عمر کے لحاظ سے اس طرح کی ذہنی سطحوں کو پیشِ نظر رکھنا بچوں کے ایک ادیب کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اب رہی بات کہ ادب اطفال کے نام پر کیا لکھا جا رہا ہے اور کیسے لکھا جا رہا ہے؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں پر 'کیا' سے زیادہ اہم 'کیسے' ہے۔ دنیا کے کسی بھی موضوع پر نظم و نثر میں بچوں کے لیے کچھ بھی تحریر کیا جا سکتا ہے لیکن ذہنی سطحوں کا خیال رکھتے ہوئے زبان اور اسلوب کی رعایت از حد ضروری ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ ادیب اصول کی پوری رعایت کے ساتھ کارآمد ادب خلق کر رہا ہے لیکن اس سوال کا جواب دینا ہنوز باقی ہے کہ بچوں کی یہ ادبی خوراک کس حد تک ان تک پہنچ رہی ہے؟ اس سلسلے میں کئی طرح کی اڑچنیں ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمارے ملک کا ڈاک نظام لاعلاج مرض کی حد تک بیمار ہو چکا ہے۔ اس لیے بسا اوقات کتب و رسائل راستے ہی میں رہ جاتے ہیں اور اگر خوش قسمتی سے پہنچ بھی جائیں تو کئی مہینوں کا سفر طے کر کے غرغرے کی حالت میں منزل پہ پہنچ پاتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ ادب اطفال بچوں کا کھیل نہیں، یہاں بچہ بن کر بچے کی زبان اور اس کے لہجے میں بات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج بچوں کا کیا بڑوں کا رشتہ بھی کاغذ اور قلم سے غیر مستحکم ہوتا جا رہا ہے، آئے دن ذرائع ابلاغ کی آسمان چھوتی ترقی اور ننانوے فی صد بچوں تک موبائل کی رسائی وغیرہ یہ وہ اسباب و عوامل ہیں جو ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں۔

بچوں پر ماحول کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ 'ماحول' سب سے بڑا استاذ ہوتا ہے۔ اسی ماحول کا نتیجہ ہے کہ آج بولنے سے پہلے ہی بچہ موبائل چلانے لگتا ہے، شیر خوار بچے چیزوں کو آنکھوں اور کانوں سے محسوس کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بچوں کو ان ہی ذرائع سے بہلایا بھی جاتا ہے۔ مثلاً لوری، جھنجھنا اور بچوں کی جوتیوں کے تلے میں لگے باجے اور رنگ برنگی لائٹیں۔ لیکن آج کے اس موبائلی عہد میں بچے کئی قدم آگے ہیں، وہ محض رنگ برنگی چیزوں کے دیکھنے پر مطمئن نہیں ہیں بلکہ وہ ان تصاویر کو مردے کے زمرے میں رکھتے ہیں اور بچوں کو متحرک مناظر کی جستجو رہتی ہے۔ آج امیر و غریب کے کسی امتیاز کے بغیر بآسانی تقریبا ہر بچے تک موبائل پہنچ چکا ہے بلکہ بعض مائیں تو بچے کو دودھ بعد میں دیتی ہیں اور موبائلی غذا پہلے پروس دیتی ہیں۔ اسی کا لازمی نتیجہ ہے کہ بچہ خواہ شیر خوار ہو یا ہوشیار موبائل پکڑتے ہی یا تو وہ ویڈیو گیم کی طرف لپکتا ہے یا پھر اس کی انگلی یوٹیوب پر جا ٹکتی ہے۔ اسی طرح آج کے بچے ٹی وی کارٹون دیکھنے کے بھی بڑے دیوانے نظر آتے ہیں۔

اب اگر بچوں کے ادیب ان جدید ذرائع سے صرفِ نظر کر کے ادب خلق کریں تو بچے اسے محض سونگھ کر آگے بڑھ جائیں گے۔ اس لیے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ٹیکنکل ادب خلق کرنا ہوگا۔ وال پیپر، آڈیو اور ویڈیو وغیرہ کو استعمال میں لانا ہوگا اور ادیب و شاعر کو جدید وسائل کے استعمال سے واقفیت بھی حاصل کرنی ہوگی۔

بچوں میں اردو سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے چند نکات:

☆ بچوں کے لیے حمد و نعت خوانی، غزل خوانی، فی البدیہ تقریر، ڈبیٹ کے مقابلے کا انعقاد۔
☆ بچوں کا مشاعرہ، بیت بازی کا انعقاد۔
☆ مختلف لسانی کھیلوں کا انعقاد۔
☆ ہر گھر میں بچوں کی ایک لائبریری کا قیام۔

ادب اطفال کے فروغ کے سلسلے میں چند مشورے؛ بڑے ادبا بھی اس طرف متوجہ ہوں۔

☆ نقاد حضرات کی توجہ بھی ادبِ اطفال پر ضروری ہے۔
☆ عالمی رابطہ ادب اسلامی یا اس جیسی دیگر تنظیمیں ادبِ اطفال پر ورکشاپ کا اہتمام کریں۔
☆ ادبِ اطفال سے دلچسپی رکھنے والے ادیب و شاعر فیشن کے بجائے پوری دلجمعی سے ادب خلق کریں۔
☆ حکومت اور اردو کے اہل ثروت بہی خواہ بچوں کے شاعر و ادیب کی حوصلہ افزائی کے لیے آگے آئیں۔
☆ رسائل کا آرڈر ذاتی کے بجائے اجتماعی دیں اور بذریعہ وی پی منگوائیں۔